تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ سوم

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح
حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح
سوانح حیات، صفات و کمالات و تجدیدی و
اصلاحی کارنامے،
تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸

فہرست مضامین

مضمون — صفحہ

حرفِ آغاز ۱۱

بابِ اوّل

۱۹ ۵۱

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ اور اسکے کارنامے

عالمِ اسلام کا نیا روحانی و فکری مرکز ۱۹
اسلامی ہند کے معمار ۲۱
ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق ۲۲
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ۲۴
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ۳
حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ ۳۴

بابِ دوم

۵۲ ۱۰

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ
کے حالات و کمالات

نام و نسب ۵۲
ابتدائی تعلیم و تربیت ۵۳
نشوونما اور والدہ کی تربیت ۵۴
شیخ نجیب سے مناسبت اور قلبی کشش ۵۴
دہلی کا سفر ۵۵
دہلی میں طالب علمی ۵۵

مضمون — صفحہ

استاد کے محبوب ۵۶
علمی انہماک و تفوق ۵۶
تقصیرِ مقالات اور اس کا کفارہ ۵۷
حدیث کی اجازت ۵۷
قلبی بےچینی اور انجذاب الی اللہ ۵۸
والدہ صاحبہ کا انتقال ۵۸
والدہ کی یاد ۵۸
والدہ کا یقین و توکل ۵۹
ایک مثالی گھر ۵۹
اجودھن کی پہلی حاضری ۶۰
طالب و مطلوب ۶۰
مرید کی خاطر ۶۰
بیعت ۶۱
سلسلۂ تعلیم کا احیاء یا انقطاع؟ ۶۱
شیخ کبیر سے درس ۶۲
درس کی لذت ۶۳
خوش خلقی کی تربیت ۶۳
[illegible] ۶۴
ایک رفیق کی ملامت ۶۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
کتنے بار حاضری ہوئی	۶۶	نجم اسلام	۸۴
شیخ کی نماز جمعہ	۶۶	سلطان قطب الدین کی مخالفت	۸۶
رخصت اور وصیت	۶۷	اور اس کا قتل	۸۸
ایک دعا کی درخواست	۶۷	تغلق آباد	۸۸
ابو الحسن سے دلجوئی	۶۸	غیاث الدین تغلق کا عہد دور	
تصفیہ حقوق	۶۹	سرکاری مجلس مناظرہ	۸۹
دہلی کی قیام گاہیں	۷۰	مجلس مناظرہ کا حال بشرح	
فقر و فاقہ	۷۰	خواجہ کی زبان سے	۹۲
غیر کے واسطے کے بغیر	۷۳	دلی کی تباہی	۹۳
شیخ کبیر کی رفاقت	۷۳	نظام الاوقات	۹۴
غیاث پور کا قیام	۷۴	امیر خسرو کی خصوصیت	۹۴
رجوع عام	۷۶	شب کی نماز	۹۵
نذیر مسلم	۷۷	سحری	۹۶
بیداری پر پہلا سوال	۷۸	صبح کے وقت	۹۶
دنیا سے تنفر اور فیض بخشا	۷۸	دن میں	۹۷
زمین و جائداد سے پرہیز	۷۹	رات کی ترتیب	۹۷
فقیر کا شاہی دستر خوان	۷۹	ترتیب سفر	۹۷
شیخ کی غذا	۸۰	خلفائے کبار کو اجازت نامے	
ترتیب	۸۱	ادب	
سلاطین عہد سے بے تعلقی	۸۲	ان کی صحبت و نوازشات	۹۸
سلطان علاء الدین کا امتحانی تحفہ		وفات کا حال	۹۸
بادشاہ کے آنے سے معذرت	۸۳		
امراء کے دروازے	۸۴		

◆

باب سوم

۱۰۲ —— ۱۱۲

(اخلاق وصفات)

جامع اوصاف ۱۰۲
اخلاص ۱۰۳
دشمن نوازی ۱۰۵
پردہ پوشی و دل شکستہ نوازی ۱۰۷
شفقت بخلق ۱۰۸
غمخواری عام ۱۰۹
چھوٹوں پر شفقت ۱۱۱

باب چہارم

۱۱۳ —— ۱۲۵

(اذواق وکیفیات)

محبت وذوق ۱۱۴
سماع ۱۱۵
مزامیر سے نفرت و ممانعت ۱۱۹
سماع میں آپ کی کیفیت ۱۲۰
ذوق قرآن ۱۲۲
شیخ سے تعلق ۱۲۳
جماعت کا اہتمام اور طبیعہ حتی ۱۲۲
شریعت کی پابندی اور اتباع سنت کا اہتمام ۱۲۳

باب پنجم

۱۲۶ —— ۱۳۴

(افادات وتحقیقات)

علمی پایہ ۱۲۶
علمی وادبی مناسبت ۱۲۶
حدیث وفقہ پر نظر ۱۲۷
اہمیت علم ۱۲۸
بلند علوم ومضامین ۱۲۹
علوم صحیحہ شرعیہ ۱۳۰
طلاب اگر راہ خدا نہیں ۱۳۰
قلب متوجہ الی اللہ کے بندوں کی جو حضور نہیں ۱۳۱
ترک دنیا کی حقیقت ۱۳۱
طاعت لازم ومتعدی ۱۳۲
کشف وکرامات حجاب راہ ۱۳۲
علوم انبیاءؑ و اولیاءؒ ۱۳۲
دنیا کی محبت اور عداوت ۱۳۳
مراتب تلاوت قرآن ۱۳۳

باب ششم

۱۳۵ —— ۱۵۴

(فیوض وبرکات)

تجدید ایمان وتحریک عام ۱۳۵
جمعیت ایک عہد ومعاہدہ ۱۳۷
عموم جمعیت کی حکمت ۱۳۹

مضمون — صفحہ
عملی زندگی پر اثر ۱۴۱
عشق کا سوز و گداز ۱۴۶
خلفاء کی تربیت ۱۴۷
چشتی خانقاہیں ۱۴۹
مریدین باختصاص ۱۵۰

باب ہشتم

۱۵۵ —— ۱۷۳

(حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات)

آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات ۱۵۵
سلاطینِ وقت سے بے رغبتی اور رو گردانی کے نمونے ۱۵۹
اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی ۱۶۰
اشاعتِ اسلام ۱۶۶
تدریس و اشاعتِ علم ۱۷۰
خاتمۂ کلام ۱۷۱

مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

۶۶۱ھ —— ۷۸۲ھ

باب اوّل

۱۷۵ —— ۱۸۵

(ولادت سے بیعت تک)

خاندان ۱۷۷
ولادت ۱۷۹
تعلیم ۱۷۹
مولانا شرف الدین ابو توامہ سے تلمذ اور سنار گاؤں کا سفر ۱۸۰
ازدواج ۱۸۲
مراجعتِ وطن ۱۸۲
سفرِ دہلی اور انتخابِ شیخ ۱۸۴
بیعت شیخ نجیب الدین فردوسی ۱۸۵

باب دوم

۱۸۶ —— ۱۹۵

(ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ اور اس کے مشائخ کبار)

خواجہ نجم الدین کبریٰؒ ۱۸۶
ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد ۱۸۹
سلسلۂ فردوسیہ ہندوستان میں ۱۹۰
خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ ۱۹۰
خواجہ رکن الدین فردوسیؒ ۱۹۳
خواجہ نجیب الدین فردوسی ۱۹۴

باب سوم

۱۹۶ —— ۲۰۲

(مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت اور ارشاد و تربیت)

مضمون	صفحہ
سیاحت و دلچسپی	۱۹۲
شورش عشق	۱۹۷
راجگیر کے جنگل میں	۱۹۸
بہار کی سکونت اور خانقاہ کی تعمیر	۱۹۹
افادہ و ارشاد	۲۰۲

باب چہارم

۲۰۵ —— ۲۲۲

(صفات و خصوصیات)

مضمون	صفحہ
فنائیت	۲۰۵
علو اخلاق	۲۱۰
رحمت و شفقت	۲۱۲
دنیا سے بے رغبتی و بے تعلقی	۲۱۵
علو ہمت	۲۱۶
تجرید و تفرید	۲۱۸
امر بالمعروف اور مسلمانوں کی صلاح و سعادت کی فکر	۲۲۱
اتباع سنت	۲۲۲

باب پنجم

۲۲۵ —— ۲۳۹

(وفات)

مضمون	صفحہ
نماز جنازہ اور تدفین	۲۲۶
اولاد و اعقاب	۲۲۷
ممتاز مریدین و خلفاء	۲۲۸
تصنیفات	۲۲۹

باب ششم

۲۳۰ —— ۲۳۰

(مکتوبات)

مضمون	صفحہ
مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ	۲۳۰
مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہ	۲۳۵
مضامین کا ماخذ	۲۳۷

باب ہفتم

۲۳۹ —— ۲۶۶

(مقام کبریائی)

مضمون	صفحہ
بے نیازی سلطان عالم	۲۳۹
دریائے رحمت کا جوش	۲۶۱
صلائے عام	۲۶۳
کریم نکتہ نواز	۲۶۳
توبہ کی تاثیر	۲۶۶

باب ہشتم

۲۶۷ —— ۲۸۱

(مرتبۂ انسانیت)

مضمون	صفحہ
ایک انقلاب انگیز دعوت	۲۶۷

مضمون — صفحہ

خانۂ دل نظرِ خاص ۲۶۸
ذاتِ محبت ۲۷۰
حاصلِ وجود ۲۷۲
بارِ امانت ۲۷۳
ذرۂ خاک کا اقبال ۲۷۴
سرِّ الٰہی کا حامل ۲۷۶
مسجود و محسود ۲۷۸
دلِ آگاہ ۲۷۹
شکستہ تر، عزیز تر ۲۸۱
محبت کی فرمانروائی ۲۸۱

باب ہشتم

۲۸۳ —— ۲۹۵

(تحقیقات و علومِ عالیہ)

بلند و لطیف علوم و مضامین ۲۸۳
وحدۃ الشہود ۲۸۳
تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں ۲۸۶
تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی ۲۸۷
خواہشاتِ نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں ان کی شکستگی مقصود ہے ۲۸۹
کرامت بھی ایک بُت ہے ۲۹۱
کشوف و کرامات اور استدراج ۲۹۲
تفضیلِ خدمت ۲۹۳
نفس کی اصلاح کا معیار ۲۹۵

مضمون — صفحہ

باب دہم

۲۹۸ —— ۳۱۲

(حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت)

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ ۲۹۸
نبوت ولایت سے افضل ہے ۲۹۹
انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے ۳۰۲
انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب ۳۰۲
شریعت کا لزوم و دوام ۳۰۳
شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے ۳۰۴
الحادِ شریعت کا زمانہ ۳۰۵
ایک بلیغ مثال ۳۰۵
علماء اور مشائخ کاملین کا اسوہ ۳۰۷
شریعت کی شرط ۳۰۹
اتباعِ محمدی سے چارہ نہیں ۳۱۰
سلسلۂ مجددیہ کی اشاعت اور اس کے بعض مرکز ۳۱۱
حضرت مجدد صاحب کے بعض عربی اور ہندی فقرے ۳۱۲

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

الحمد للہ کہ تاریخ دعوت وعزیمت کا تیسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے دوسرے اور تیسرے حصے کے درمیان اتنا طویل وقفہ پیش آیا کہ مصنف کی طبیعت افسردہ اور شائقین مایوس سے ہوگئے۔ اس عرصہ میں مصنف کے کوتاہ قلم سے متعدد کتابیں نکلیں اور شائع ہوئیں، جتنی تاخیر ہوتی جارہی تھی اتنا ہی یہ اندیشہ بڑھ رہا تھا کہ خدانخواستہ یہ مفید سلسلہ بہت سے قدیم مصنفین کی اہم کتابوں اور خود اپنے بعض سلسلۂ تصنیف کی طرح ناتمام نہ رہ جائے، شاید ایسا ہی ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا، اگر اس میں ایک قابلِ صد احترام اور واجب التعمیل تاکید اور تقاضا شامل نہ ہوتا۔

میرے مربی روحانی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم نے تاریخ دعوت وعزیمت کو بار بار سن کر، بار بار اپنی مجالس میں پڑھوا کر تصنیف و مصنف کی عزت و

پڑھا لی، ان دو مجلدوں کے بعد حضرت ممدوح نے تیسری جلد کا تقاضا فرمایا اور اپنے خادم کو اس کی تکمیل کی بار بار ہدایت فرمائی۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں باہر سے حاضر خدمت ہوا تو پہلا سوال یہی فرمایا گیا کہ تیسرا حصہ مکمل کر لیا! بعض مرتبہ میں نے اپنی الجھنیں عرض کیں تب بھی ارشاد ہوا کہ تیسرا حصہ تو مکمل ہی کر لیجئے! پھر جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حصہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس اللہ سرہٗ کے تذکرہ پر مشتمل ہوگا تو اپنے تعلق روحانی اور نسبت خاص کی بنا پر حضرت کی طرف سے اس کا اور بھی تقاضا ہوا، ادھر اس عاجز کا یہ حال ہو گیا تھا گویا اس نے قلم رکھ دیا ہے! اور اس موضوع سے مناسبت جاتی رہی ہے یہاں تک کہ جون ۶۱ء میں ایک بار جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت کی مجلس مبارک میں حضرت خواجہ کا وہ مجموعہ پڑھا جا رہا تھا جو افضل الفوائد کے نام سے امیر خسروؒ کی طرف منسوب ہو کر لاہور سے شائع ہوا ہے اور ایک عزیز دوست تحفۃً لائے تھے، یہ مجموعہ ایسے غیر مستند مضامین اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے کہ اس کا سننا بھی تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں پر بلکہ مذاقِ سلیم پر سخت بار ہے، اس کی نسبت امیر خسروؒ کی طرف قطعاً مشکوک ہے، حضرت خواجہ گیسو درازؒ جن کے اور سلطان المشائخ کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ اور وہ بھی حضرت چراغ دہلیؒ کا ہے اور جو اسی خانوادۂ عالی کے چشم و چراغ اور محرم اسرار ہیں، صاف فرماتے ہیں کہ فوائد الفواد کے علاوہ ملفوظات کے جتنے مجموعے مشہور ہیں وہ ہوائی ہیں[1]۔ مجلس میں یہ کتاب پڑھی

---

[1] "ملفوظ شیخ نظام الدین را امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است و ملفوظہائے دیگر کہ از زبان شیخ بستہ اند ہمہ بادہوا است" (جوامع الکلم)

جاری تھی، حضرت کبھی کبھی اس کے مضامین پر استعجاب کا اظہار فرماتے، [illegible] ہو کہیں کہیں مصنف پر بھی چوٹ پڑ جاتی، اشارہ و کنایہ میں کہتے کہ اگر کوئی مستند کتاب موجود ہوتی تو ایسی غیر مستند کتابوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نگاہ دل پر تیر کی طرح پار ہو گئی اور دل میں دل نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اس کام کو انجام دینا ہے اور یہ ارمغان پیش کرنا ہے۔

اس کام میں توقف ہونے کا ایک سبب راہ کی دشواریاں بھی تھیں، ہندوستان کے اولیائے کرام، اعیان اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرے میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کو بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مساعی، ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج، ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ حالات سبق آموز، شوق انگیز اور ہمت آفریں ہوں اور بحیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظر عام پر آئیں اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا، عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔ پوری کی پوری کتاب خوارق و کرامات، محیر العقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوئی ہے اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مؤرخ کو جس نے اپنی علمی اور تصنیفی ضرورت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایسا وسیع مطالعہ کیا ہے جس کی نظیر دورِ حاضر میں ملنی مشکل ہے، اور اعیان و مشاہیر ہند کا تذکرہ آٹھ ضخیم جلدوں

میں مرتب کیا تھا[1]) اس صورتِ حال پر اس طرح شکوہ سنج پایا گیا۔

"ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتداء سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اترتی، جس کتاب کو اٹھا کر دیکھیے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرنا و کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے آپ اس کو خالی نہ پائیں گے، اگر مقفّیٰ عبارتوں اور مسجع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں، ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے مرقع میں پائیں ـــ کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے، مگر اس بدمذاقی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشوونما، تعلیم و تربیت، طریقۂ ماند و بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملیگا، قرنا و کوس کا تو یہاں کچھ کام نہیں، مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، مصنّف کا سارا زور ان کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہوتا ہے اور اس کو اس حد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں، وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ خصائص انسانی سے ان کو سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی (آٹھ جلد) جو پانچ ہزار شخصیتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ ترقی دیتے رہیں اور موالیدِ ثلاثہ و عناصرِ اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں۔

اس وقت کا اگر آپ عملی تجربہ کرنا چاہیں تو ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی بلکہ ایک طرح سے اس ملک میں سلسلۂ اسلامی کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور ان سے حضرت کی کوئی مختصر سوانح مرتب کرنے کی کوشش کیجئے۔ شاید یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کا ابتدائی عہد تھا، تصنیف و تالیف کے دور کا پورے طور پر آغاز نہیں ہوا تھا، اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے اور اسی دور میں ہم کو قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی کی کتاب طبقاتِ ناصری اور نور الدین محمد عوفی کی کتاب لباب الالباب بھی ملتی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں لیکن اگر اس کو کسی طرح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی سنہ ۶۶۶ھ) ایک عظیم روحانی پیشوا اور جلیل القدر مصلح تھے جنہوں نے اپنے زمانہ کو متاثر کیا اور ایک ایسے شہر میں زندگی گزاری جو اپنے عہد میں ہندوستان کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا، سیاسی حالات میں اعتدال و استقرار بھی پیدا ہو چکا تھا، لیکن اس عظیم الشان شخصیت کی سوانح نگاری اور اس کے کارناموں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے مواد کی بے حد کمی ہے، مگر خوارق و تصرفات اور کشف و کرامات کے واقعات کی کوئی کمی نہیں۔

اس لحاظ سے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مخدوم الملک

۱؎ یادِ ایام (تاریخ گجرات) ص ۸ و ص ۹ از مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ مصنف نزہۃ الخواطر و گل رعنا (متوفی ۱۳۴۱ھ)

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ جو آٹھویں صدی کی دو نامور شخصیتیں اور عظیم الشان روحانی مربی اور مصلح ہیں، خاص امتیاز و انفرادیت رکھتے ہیں، کئی صدیوں تک کسی شیخ طریقت اور کسی دینی شخصیت کے ملفوظات اتنی روشنی میں نہیں ہیں جتنے ان دونوں بزرگوں کے، یہ مواد اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ان حضرات کے ملفوظات اور مکتوبات سے ماخوذ ہے یا معاصر تاریخوں اور ان کے خدام و مریدین کی کتابوں سے، اس لحاظ سے مؤرخ کو یہاں کم دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب و تحقیق کا کام یہاں بھی ضروری ہے کہ واقعات بیان میں کہیں اختلاف و تضاد نظر آتا ہے۔

لیکن ان دونوں شخصیتوں کے انتخاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان سے متعلق تاریخی مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، یہ بات اور بھی بہت سی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ہندوستان میں جو ساتویں صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز احتساب اور احیاء و تجدید کی تحریکوں کا منبع ہے، ان دونوں حضرات نے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

حالات و تعلیمات کے انتخاب میں مصنف نے ہمیشہ ان اجزاء و مضامین کو اہمیت دی ہے جو اس نسل کے لئے مفید، سبق آموز، قابل تقلید، عام فہم اور دلنشیں ہوں اور جن سے غلط فہمی اور غلط روی کا کم سے کم اندیشہ ہو۔ وہ خود بھی فلسفۂ الٰہیات اور فلسفۂ اخلاق سے کم مناسبت رکھتا ہے اور اپنے قارئین کو بھی اس امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبۂ اتباع سنت، عزیمت و علو ہمت، ذوق دعوت و تبلیغ، اصلاح اعمال و اخلاق، وسیع علم و دینی فکر و معارف ان بزرگوں کا

اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ میں اپنے مسلک کی معذرت اور وضاحت کرتے ہوئے ایک شعر لکھا تھا جو صورت حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اسی کا اعادہ یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ؎

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

شاید مصنف کی دوسری ذمہ داریاں اور نہ ختم ہونے والے مشاغل اتنی جلدی کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دیتے اور اس میں مزید تاخیر ہوتی، مگر اپنے وطن (رائے بریلی) کی آسمانی [illegible] سیلاب نے ایک گاؤں (مع میدان پور) میں محصور کر کے اس کا سامان فراہم کر دیا کہ جو کام مہینوں میں ہوتا وہ خدا کی مدد سے چند ہفتوں میں ہو گیا۔ وللہ جنود السموات والارض۔

مصنف کا اخلاقی فرض اور احسان شناسی ہے کہ وہ اپنے محسنین و معاونین کا شکریہ ادا کرے۔ قدیم ماخذ میں مصنف سب سے زیادہ سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد اور فوائد الفواد کے مصنف امیر حسن علاء سنجری کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی سوانح حیات و تعلیمات کا سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد فراہم کیا۔ حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے حالات میں سیرۃ الشرف سے بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی اور اس سے قدیم تر ماخذ کا پتہ چلا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیفات اور مضامین ہمیشہ کی طرح بڑے مفید اور مددگار ثابت ہوئے، کاش ان کو دونوں حضرات کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے کا موقع ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس موضوع سے فطری مناسبت اور ذوق اور تاریخ ہندوستان کا وسیع علم عطا فرمایا تھا۔ والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ کی بیش قیمت تصنیف نزہۃ الخواطر نے حسب معمول تاریخ و تذکرہ

کے ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کا کام دیا اور مصنف نے اس سے اسی طرح مدد لی اور بار بار رجوع کیا جیسے کوئی طالب علم لغت اور ڈکشنری سے بار بار مدد لیتا ہے۔ اس موضوع پر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور ان کا انتخاب و مذاق کتنا پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

اپنے معاونین میں ناچیز مصنف جناب مولوی سید نجم الہدیٰ صاحب ندوی دسنوی اور عزیز گرامی مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی کا ممنون ہے جنہوں نے حضرت مخدوم الملک کی سوانح حیات اور تصنیفات میں سے بعض نادر چیزیں فراہم کیں۔ عزیزی مولوی شبیر عطا ندوی سلّمہٗ (جن کو تاریخی و علمی ذوق اپنے نامور والد سے ورثہ میں ملا ہے) سے بھی بعض ضروری معلومات کے حصول میں مدد ملی۔ عزیز سعید مولوی سید مشرف علی ندوی بھی مصنف کے شکریہ کے بڑے مستحق ہیں۔ مصنف نے کتاب کا بڑا حصہ املا کیا اور آں عزیز نے بڑی ہمت اور محنت سے لکھا۔ مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بھی وقتاً فوقتاً مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں اور عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے عمل کو قبول کرے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین

ابوالحسن علی
مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ
لکھنؤ

۱۸ صفر سنہ ۱۳۸۲ھ
۲۲ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ

عالم اسلام کا نیا روحانی وفکری مرکز

چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اس صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہو رہا تھا جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور جس کے لیے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم وحشی تاتاریوں نے عالم اسلام پر موت و ہلاکت کی طرح یورش کی، ملک کے ملک ان کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم و تہذیب کے گہوارہ اور مدارس و رفاہ عام سے یکسر گلزار ہو رہے تھے بے چراغ ہو گئے، شہروں کا امن و سکون، زندگی کا نظم و نسق اور شرفاء کی عزت و ناموس خاک میں مل گئے، بخارا، سمرقند سے لے کر ترکستان، قزوین، تبریز، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکز خلافت دارالسلام بغداد اس فتنۂ جہاں سوز

کی لپیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر رہ گیا۔ اس حادثۂ ناگہانی سے عالم اسلام کی چولیں ہل گئیں اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری و علمی اضمحلال کے سیاہ بادل چھا گئے۔ اس وقت اس پورے عالم اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جو اس فتنۂ عالم آشوب سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم، قوی اور پرجوش ترک النسل خاندانوں کی حکومت تھی جو ان تاتاریوں اور مغلوں سے جنگی پنجہ آزمائی کر سکتے تھے اور اپنی ایمانی قوت اور نئے اسلامی جوش کی بنا پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف اُن کے حریف بلکہ ان سے فائق تھے۔ تاتاری اور مغل بار بار ہندوستان پر حملے کرتے رہے اور پسپا ہوتے رہے، صرف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا، پہلا حملہ ۶۹۷ھ میں ہوا تھا اور پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جوہر مردانگی دکھائے اور مغلوں کو اس طرح شکست فاش دی کہ:

> ”وازاں روزگار مغول را ہوس ہندوستان بر دل سرد شد و دندان طمع کند گشت“[1] (اس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی ہوس سرد ہو گئی اور اُن کے دندان حرص و آز ہمیشہ کے لئے کھٹے ہو گئے)۔

ان خصوصیات کی بنا پر عالم اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل و دماغ جو اپنے قدیم وطن میں سکون و اطمینان سے محروم ہو گئے تھے، ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے۔ لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان، عراق کی طرف سے بار بار

---

[1] منتخب التواریخ ج۱ ص۱۸۱، تاریخ فیروز شاہی لضیاء برنی ص۳۰۲ و ص۳۲۰ و ص۳۲۲۔

فتنۂ تاتار اور بدامنی کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد و قرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبات شیراز و یمن کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف و نجیب خاندانوں، اساتذۂ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں جو فتنۂ تاتار میں ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے تھے اور ہنگامۂ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین گرم کئے ہوئے تھے، نیز جنہوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں سنبھالی رکھی تھیں اور ملک کی زیب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالمِ اسلام کا جوہرِ شرافت و فضیلت یہیں آ گیا تھا[1]۔

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالمِ اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و روحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکرِ اسلامی اور دعوت و عزیمت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی ہند کے معمار

اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور دریافت "نئی دنیا" کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہو گئے تھے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا، اور اس برصغیر (ہند) میں جا بجا داعیانِ اسلام کے مرکز بن گئے تھے جو چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں، جیسے ع

بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از ضیا برنی ص ۱۱۱ و ۱۱۲

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصے میں تھی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہؒ چشتیہؒ نقشبندیہؒ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے۔ اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکر اللہ مساعیہم۔ لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کے لئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمتِ الٰہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ۔

ان اسرارِ الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پا سکتی چشتیوں پر اس ملک کا حقِ ہمسائگی بھی تھا ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا، اپنے درد مند مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلۂ چشتیہ کا سرمایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشقِ الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانۂ قدیم سے محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق

غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر قدرتِ الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا۔ سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت

موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتی[۱] تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی، مولانا جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:۔

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات[۲]	جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف
رفتہ بود خواجہ را در واقعہ نمودند کہ	گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارۂ غیبی
بمددگاری وے باید رفت در سن ہفتاد	ہوا کہ اس کی مدد کیلئے جائیں، وہ ستر برس
سالگی با درویشے چند متوجہ شد چوں	کی عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ
آں جا رسید بنفس مبارک خود با شرکان	ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس
وعبدۂ اصنام جہاد کرد[۳]	جہاد میں شرکت فرمائی۔

---

[۱] خواجہ ابو محمد چشتی (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابو احمد کے فرزند و خلیفہ تھے جو خواجہ ابو اسحاق شامی کے خلیفۂ اعظم اور خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے شیخ و مرشد تھے (خواجہ ناصر الدین ابو یوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، اور وہ حاجی شریف زندنی کے۔ حاجی شریف زندنی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

[۲] سلطان محمود نے سومنات پر حملہ ۴۱۶ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمدؒ کا سنہ وفات مذکورۂ بالا صحیح ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا، غالباً مولانا جامی کی مراد حملۂ ہندوستان سے ہے، انھوں نے اسکو حملۂ سومنات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان کے باہر سب سے زیادہ اسی کارنامہ کی شہرت ہوئی۔ سومنات پر حملہ کرنے سے پہلے ہندوستان پر محمود کے ۱۲ حملے ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی حملے میں (اغلب ہے کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمدؒ ساتھ رہے ہوں گے۔

[۳] نفحات الانس ص ۳۲۳

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لیے مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اسی سلسلے کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزی[1] کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

---

[1] خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل نسبت سجزی ہے جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے "سنجری" بن گیا۔ قدیم مسودات و اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں سجزی ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔ سجزی نسبت سجستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اسکو خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں، موجودہ زمانے میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔

اس علاقہ کا پایۂ تخت زرنج تھا جس کے کھنڈرات زاہدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں سجستان کے حدود غزنین تک تھے۔ (احسن التقاسیم)

بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سجز، سجستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے جس کی طرف نسبت سجزی آتی ہے۔ کبھی کبھی پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

جغرافیہ خلافت مشرقی کے مصنف جی ایل اسٹرینج نے ۲۰ صفحوں میں سجستان کا جغرافیہ بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے اور جھیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے، دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔

فارسی میں سیستان کو نیمروز یعنی جنوبی ملک بھی کہتے ہیں اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے ص۳۰۳ و ص۳۰۵

قدیم تر مورخین (جن میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی بھی شامل ہیں جو حضرت خواجہ کے کمسن معاصر ہیں[1]) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے اس لشکر کے ساتھ تھے جس نے والی اجمیر رائے پتھورا (پرتھوی[2] راج) کو شکست دی اور ہندوستان کی فتح کی

---

[1] قاضی صاحب کی ولادت ۵۸۹ھ میں ہوئی۔ ۱۲

[2] پرتھوی راج یا رائے پتھورا (۱۱۶۵ – ۱۱۹۲ء) سومیشور کا بیٹا تھا، جو اجمیر کے چوہان حکمران خاندان کے بانی "اروناراجہ" کا فرزند اور اس خاندان کے مشہور فرمانروا وگرہ راجہ عرف وسیل دیو کا بھائی تھا۔ "سومیشور" کا دہلی کے تومر راجپوت حکمران خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر یکساں اقتدار تھا۔ سومیشور دہلی کے آخری تومر فرمانروا انند پال (اننگ پال) کا داماد تھا اور اس رشتے سے پرتھوی راج دہلی کے آخری فرمانروا کا نواسہ ہوتا تھا۔ انند پال کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس نے پرتھوی راج کو متبنیٰ کیا تھا، اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پرتھوی راج کے حصہ میں آئی اور اجمیر کی سلطنت اسے اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی، اس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اس کی دادھیال کہی جاتی تھی، اس لئے اغلب ہے کہ اس کا زیادہ تر قیام اجمیر میں رہتا تھا، اس وجہ سے اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج اپنی ذات سے بڑا حوصلہ مند، منچلا فنون سپہ گری میں طاق اور بہادر راجپوت تھا، اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات حاصل کیں، جنہوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ اور روشن رکھا، قنوج کے راجہ جے چند کی بیٹی کو "سوئمبر" سے لے آنے کی وجہ سے وہ ان داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو اب تک شمالی ہند میں گائی اور پڑھی جاتی ہیں، وہ اپنی سپہ گری، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے دور آخر کے بہادر راجپوتوں اور طاقتور رہنماؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے لیکن اس کی آخری شکست نے اس کی عظمت پر پردہ ڈال دیا، اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

فرمایا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور اسکی ترکتازیاں شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کردیا، راۓ پتھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اُس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہنچائی، حضرت خواجہؒ نے اس کی سفارش کی۔ پتھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ "یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں۔ حضرت خواجہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ "ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کرکے (محمد غوری کو) دے دیا۔" اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا، پتھورا نے مقابلہ کیا، اور شکست کھائی[1]

بہرحال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ ان کی اولوالعزمی عالی ہمتی اور جراُت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذاہب اور فاتحینِ عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل و اعتماد، ان کے زہد و قربانی اور ان کے درد و سوز کی وجہ سے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کردیا اور جو سرزمین ہزاروں برس صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کی محافظ و امین بن گئی اور اس کی فضائیں اذانوں سے اور در و دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں سے اور اس کے شہر و دیار قال اللہ و قال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالمِ اسلام گوش برآواز ہے۔ ع جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۴۵، آثرالکرام

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے:۔

مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب
ہمہ دیار کفر و کافری و بت پرستی بود
و متمردان ہند ہر یکے دعوی انا ربکم الاعلیٰ
می کردند خود را خدائے عزوجل شریک می گفتند
و سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ
و سرگین آں را سجدہ می کردند بظلمت کفر
قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود ؎
ہمہ غافل از حکم دین و شریعت
ہمہ بے خبر از خدا و پیغمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ
نہ ہرگز شنیدہ کسی اللہ اکبر
وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل
یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمات آں دیار
بنور اسلام روشن و منور گشت ۔ ؎
از سعی او بجائے صلیب و کلیسا
در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است

ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی
کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی، اہل
تمرد "انا ربکم الاعلیٰ" کی صدا لگا رہے تھے
اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر
درخت، جانور، گائے اور گوبر کو سجدہ کرتے تھے
کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور
مقفل تھے۔ سب دین و شریعت کے حکم سے
غافل، خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے، نہ
کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے
اللہ اکبر کی صدا سنی۔ آفتاب اہل یقین
حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک
کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک
کی ظلمت نور اسلام سے مبدل ہو گئی
ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
شرک تھے وہاں مسجد، محراب، منبر نظر
آنے لگے۔ جو فضا شرک کی صداؤں سے
معمور تھی وہ نعرہ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

و ہر کرا دریں دیار مسلمان خوانند تا روز قیامت	اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی
مسلمان خواہند شد و فرزندان ایشاں تا	اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
توالد و تناسل است مسلمان خواہند	مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی
بود و آں طائفہ را کہ بتیغ اسلام از	اولاد در اولاد و نسل در نسل سب کے
دار حرب در دار اسلام خواہند آورد	نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں
الی یوم القیامۃ مثوبات آں جملہ در کار	قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہیگا وہ
نامۂ شیخ الاسلام معین الدین سجزی	دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہیگا قیامت
قدس اللہ سرہ العزیز تا قیامت حضرت	تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین
او واصل و ثمرہ اش خواہند بود	سجزی کی روح کو پہنچتا رہیگا۔
انشاء اللہ العزیز[1]	

اس طرح ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص روحانی جد بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزادؔ نے صحیح لکھا ہے:۔

لاشک بزرگان چشت ابر رحمت اند	اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگ تھے
حقی است قدیم[2] بولایت ہند۔	سلسلۂ چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے:۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۴۷ [2] مآثر الکرام ص۷

بہ ہندوستان بہ یمن قدوم میمنت لزومش	ہندوستان میں انکے مبارک قدم کی برکت سے
طریقۂ اسلام فاش گشت و سیاہی کفر	اسلام کی اشاعت ہوئی اور کفر کی ظلمت
بنورش از عرصۂ روزگار برطرف شد[1] ـــ	یہاں سے کافور ہوئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہو گیا، اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھو دی۔ خواجہ بزرگؒ نے دہلی میں اپنے جانشین و خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے جہاں تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغول رہ کر اپنی بقیہ زندگی پوری کر دی۔ کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج و اثرات کا مستند و معین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا۔ عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگان خدا نے ان سے ایمان و احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے ـــــ ابوالفضل "آئین اکبری"[2] میں لکھتا ہے:۔

عزلت گزیں باجمیر شد و فراوان چراغ	اجمیر میں عزلت گزیں ہو گئے اور اسلام
برافروخت، از دم گیرائے او گروہا گروہا	کا چراغ انہی کی ذات سے روشن کیا۔ انکے
مردم بہرہ برگرفتند	انفاس قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان
	کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقین، اسلام کی اشاعت اور داعیان اسلام و اہل طلب کی

---

[1] سیر الاقطاب ص۱۰۱

[2] آئین اکبری (سرسید ایڈیشن) ص۲۷

و ہر کہ ازیں دیار مسلمان شدہ تا روز قیامت ‏ ‏ ‏ اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی
مسلمان خواہد شد از فرزندان و نبیرگان ایشاں تا ‏ ‏ ‏ اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
توالد و تناسل او است مسلمان خواہند ‏ ‏ ‏ مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی
بود و آں ظلمت کفر را کہ بہ تیغ اسلام از ‏ ‏ ‏ اولاد در اولاد نسل در نسل سب انکے
دار حرب در دار اسلام خواہند کرد ‏ ‏ ‏ نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں
ثواب ایں سعی و مثوبت آں سپہ سالار درگاہ ‏ ‏ ‏ قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہیگا وہ بھی
باجاہ شیخ الاسلام معین الدین سجزی ‏ ‏ ‏ دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہیگا قیامت
قدس اللہ سرہ العزیز ثابت حضرت ‏ ‏ ‏ تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن
و در اعمال و صحائف ثبت خواہد بود ‏ ‏ ‏ سجزی کی روح کو پہنچتا رہیگا ۔
انشاء اللہ العزیز[1]

اس طرح سے ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ بھی نام لیوا اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے :۔

لا شک بزرگان چشت قدس سرہم ‏ ‏ ‏ اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگان چشت
حقی است قدیم بر ولایت ہند ۔[2] ‏ ‏ ‏ سلسلہ چشتیہ کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے :۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۷ ‏ ‏ [2] مآثر الکرام ص ۷

بہ ہندوستان بر این قدوم میمنت لزومش	ہندوستان میں ان کے قدوم کی برکت
طریقۂ اسلام ظاہر گشت و سیاہی کفر و	اسلام کی اشاعت ہوئی اور کفر کی ظلمت
شرک از عرصۂ روزگار برطرف شد[1]	یہاں سے کافور ہوئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہو گیا، اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھو دی۔ خواجہ بزرگؒ نے دہلی میں اپنے جانشین و خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے جہاں تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولی بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کر دی۔ کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات، زمان کے نتائج و اثرات کا مستند و متعین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا۔ عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان و احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے ——— ابوالفضل "آئینِ اکبری"[2] میں لکھتا ہے:۔

عزلت گزیدہ بر اجمیر شد و فراوان چراغ	اجمیر میں عزلت گزین ہو گئے اور اسلام
برافروخت، از انفاس گرامی او گروہا گروہ	کا چراغ بڑی آب و تاب سے روشن کیا، ان کے
مردم بہرہ برگرفتند	انفاسِ قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان
	کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقین، اسلام کی اشاعت اور داعیانِ اسلام و اہلِ قلوب کی

---

[1] سیر الاقطاب ص [illegible]

[2] آئینِ اکبری (سر سید ایڈیشن) ص [illegible]

کی تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۲۷ھ[1] میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دار الحکومت دہلی میں ان کا جانشین و تربیت یافتہ شیخِ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا اور ان کا عقیدت مند حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گستری و خلق پروری میں مشغول تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدین بختیارؒ قصبۂ اوش[2] (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے تربیت کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے، مولانا ابو حفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا، وہاں اُس خضرِ طریقت سے ملاقات و ملازمت کا شرف حاصل ہوا جن کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہنچنا مقدر تھا اور جن کے ہاتھوں اور جن کی شرکت میں اسلام میں ہندوستان کا چشمۂ حیوان جاری ہونا تھا۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی تاریخی و بابرکت مسجد میں ممتاز و جلیل القدر علماء و شیوخ کی موجودگی میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو زرخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دار الحکومت تھا، اور جو ایک طرف ملکی مہمات سلطانوں

---

[1] سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ عام طور پر تین سنہ لکھے گئے ہیں: ۶۳۳ھ، ۶۲۷ھ، ۶۲۲ھ۔ صاحب سیر الاقطاب نے آفتاب ملک ہندؒ سے سنہ وفات ۶۳۳ھ استخراج کیا ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی یہی سنہ وفات مانا ہے۔

[2] یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ فرغانہ کے نواح میں ایک بڑا شہر ہے۔

بادشاہوں کی تدبر، دانائی و جوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کی بنا پر علماء، شعرا اور اہلِ کمال کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا، اور عالمِ اسلام کا مرکز یہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التتمش نے شایانِ شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا، نہ سلطان کی کسی پیشکش روپیہ و جاگیر کو قبول نہ فرمایا، اور پہلے کیلو کھری میں، پھر ملک عز الدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ درویشانہ زندگی اختیار کی۔ سلطان برابر عقیدت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہلِ شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغریٰ کو یہ بات گراں گذری اور شکایت پیدا ہو گئی، حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدینؒ نے جو آپ کے قدیم دوست تھے شکایت کی۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:—

بابا بختیار برو بسیار زود مشہور شدی کہ	بابا بختیار! تم بہت جلدی ایسے مشہور ہو گئے
خلق از دست تو شکایت کردن گرفت	کہ بندگانِ خدا کو تم سے شکایت
ازیں جا برخیز و در اجمیر بیا و بنشین	پیدا ہونے لگی۔ یہاں سے چلو اور اجمیر آ کر وہاں
من پیش تو باشم ۱؎	قیام اختیار کرو، میں تمہارے ساتھ رہوں گا ۲؎

شیخ نے جو ارشاد فرمایا وہ ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو زیبا تھا جو کمالِ اخلاص و ربانیت کے درجہ پر پہنچا ہو۔ عارفانِ راہ اور واصلینِ بارگاہ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزردگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکزِ اسلام میں انتشار و کشیدگی کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اگر یہاں کے اہلِ فضل تمہاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں تو

۱؎ فرشتہ ص ۲۰۲ ج ۲

۲؎ سیر الاولیاء ص ۵۴

میں واقف ہوں، اور یہ کہ یہاں خادم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں، اور ہاں تم مخدوم رہو گے، میں خادم ہوں ـــ خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہیے، عرض کیا:ـ

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش
مخدوم تو آیم ایستادہ بنشینم[1]

مخدوما! میں تو آپ کے سامنے کھڑے
ہونے کا بھی اہل نہیں بیٹھنے کی کیا مجال!

شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون و چرا اور بلا تامل تیار ہو گیا، لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت و ہر دلعزیزی بھی جانب اللہ ہے اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ ان کے مرید رشید نے ساری دلی کو اپنا عاشق و شیدا بنا لیا ہے۔

شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید
ازیں مقدمہ تمام شہر دہلی شور افتاد و
اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال
برآمدند و ہر جا شیخ قطب الدین قدم
می گذاشت خلائق خاک آں زمین بہ تبرک
برمی داشت در نہایت اضطراب و زاری می کردند[2]

خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کے ساتھ اجمیر
روانہ ہوئے، اس اطلاع سے شہر دہلی میں
ایک شور برپا ہو گیا، اہل شہر مع سلطان
شمس الدین شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے چل پڑے، جہاں
خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا، لوگ خاک اٹھا
کر تبرک بنا کر اٹھا لیتے تھے۔ لوگ بہت بے قرار
اور آہ و زاری میں مصروف تھے۔

ایک دل کو خوش کرنے کے لئے اور ایک جزوی مصلحت کی خاطر لاکھوں خدا کے بندوں کے دل کو رنجیدہ و زخمی کرنا جائز نہ تھا، مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لیجانے کا ارادہ فسخ کیا اور فرمایا:

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۳ [2] ایضاً ص ۵۴

بابا بختیار! تو ہمیں مقام باش کہ خلائق از	بابا بختیار! تم یہیں رہو، اس لیے کہ خدا کی
بیرون آمدن تو در اضطراب و خراب است	اتنی مخلوق تمہارے باہر جانے سے بیتاب و دل
روا نمی دارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب	ہے، میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل
باشند، برو ایں شہر را در پناہ تو	دکھائے اور جلائے جائیں۔ جاؤ، ہم نے
گذاشتیم۔[1]	اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جارہا تھا، شیخ کا شکریہ ادا کیا اور خواجہ قطب الدین شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدینؒ اجمیر واپس ہوئے۔

خواجہ قطب الدینؒ نے دہلی واپس آکر دوبارہ بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا۔ انھوں نے شاہی دربار سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا اور نہ صرف استغنا کو اپنی زندگی کا اصول بنایا بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنادیا کہ فقر و توکل کے ساتھ اور دربار سے دور رہ کر اپنا کام کرنا ہے۔ لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب ان کے عقیدت مند حلقہ بگوش تھے۔

جملگی عالم از قصبہ و دیہ و بادشہ بر دعاگوئی	ساری دنیا، اعیان و بادشاہ ان کی دعاگوئی اور
روئے نیاز نہادہ[2]	نیازمندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا۔[3] دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دار الحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا نیا مرکز تھا اور جہاں عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ، سادات و شرفاء اور مشائخ و اہل

---

[1] سیر الاولیاء (ص [illegible]) [2] اخبار الاخیار (ص [illegible]) [3] تاریخ فرشتہ (جلد اول)

سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعت طریق و تربیت قلوب اور نئی ابھرتی ہوئی مسلمان سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن تقدس و استغنا کو ذرہ برابر آلودہ اور تر کیے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا اور اس کے لیے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سبک روی اور یک رنگی کی ضرورت تھی۔ جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحب نے جس کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا، ان کو اس خدمت کے لیے طویل زمانہ نہیں ملا اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے [1] ۱۰ سال وہ زندہ رہے، لیکن ان کی ذات سے ہندوستان میں نہ صرف سلسلہ چشتیہ کی بنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصد عالیہ کے لیے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ہندوستان کو استحکام اسلام کے لیے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کے لیے محفوظ ہو گئے۔

ابھی ان کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبت الٰہی کی وہ آگ جس کو انھوں نے صبر و ضبط کے ساتھ سینہ میں دبا رکھا تھا اور ہدایت و تربیت خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی اور جذب الٰہی کا غلبہ ہوا ؎

صدائے تیغ تو آمد بجز دم زندہ دلاں
کدام سر کہ درو ذوق ایں سرود نماند

ایک مرتبہ شیخ علی سگزیؒ کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ قوال نے شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

---

[1] اگر حضرت خواجہ معین الدینؒ کا سنہ وفات ۶۳۳ھ ہی تسلیم کر لیا جائے تو خواجہ قطب الدینؒ کو ان کے بعد صرف ۲ سال ملتے ہیں۔ [2] بعض تذکروں میں ہجری سنہ ہے ۱۲۰

خواجہ قطب الدینؒ پر وجد طاری ہو گیا، خانقاہ سے قیام گاہ پر تشریف لائے، وہاں بدہوشی اور تحیر کا عالم تھا، اسی شعر کی فرمائش تھی، فرمائش کی تعمیل کی جاتی تھی، چار شبانہ روز عالمِ تحیر میں رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہوش آ جاتا، نماز ادا کرتے، پھر اسی شعر کی فرمائش کرتے، شعر پڑھا جاتا اور عالمِ تحیر میں چلے جاتے۔ پانچویں رات کو انتقال کیا۱۔ یہ واقعہ ۶۳۳ھ۲ کا ہے۔

انتقال سے پہلے عید کے روز عیدگاہ سے قیام گاہ کی طرف واپس آ رہے تھے کہ ایک ایسے میدان سے گزر ہوا جہاں کوئی قبر یا آبادی نہ تھی، خواجہ وہاں ٹھہر گئے اور دیر تک کھڑے رہے، کسی خادم نے عرض کیا کہ عید کا دن ہے اور خلقت منتظر، آپ نے یہاں کیوں توقف فرمایا؟ ارشاد ہوا: "مرا ازیں زمیں بوئے دلہا می آید" (مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے) اسی وقت زمین کے مالک کو بلا کر اپنے صرفِ خاص سے اس کو خرید فرمایا اور اس کو اپنے دفن کے لیے تجویز کیا، وہیں مدفون ہوئے۳۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء کی تعداد (جن کے نام تذکروں کی کتابوں میں محفوظ ہیں) ۱۰ سے کم نہیں، لیکن آپ کی جانشینی اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کے کام اور مقاصد کی تکمیل و توسیع کی سعادت حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے حصے میں آئی۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس و بانی ہیں، خواجہ فریدالدینؒ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدمِ ثانی ہیں۔ آپ ہی کے اخلاص، للّٰہیت [illegible]

---

۱ سیر الاولیاء بروایت حضرت خواجہ نظام الدینؒ

۲ بعض تذکروں میں ۶۳۴ھ بجائے ۶۳۳ھ ہے۔

۳ سیر الاولیاء بروایت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (ص ۵۴)، اب یہ جگہ قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پیران کلیریؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا اور ان کے خلفاء اور اہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے ؎

خم و خمخانہ با مہر و نشان است

حضرت خواجہؒ کا نام مسعود لقب فرید الدین تھا، عام طور سے گنج شکر کے لقب سے مشہور عالم ہیں[1]، آپ نسباً فاروقی ہیں، جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے ہنگامہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبہ کھتوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۵۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا علمی و دینی مرکز تھا، شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب "النافع" پڑھی، وہیں ۵۸۴ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت ہوئی اور ان سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدینؒ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تعلیم کے سلسلہ کو خیرباد کہہ کر ہمرکاب ہو جانے کا عزم کیا۔ شیخ کامل نے منع کیا اور تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جا کر علوم کی تکمیل کی[2]۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے قیام کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، چلہ اور ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہو گئے، سلوک

---

[1] اس لقب کی حقیقت و تاریخ میں مختلف اقوال ہیں، یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

[2] راحت القلوب میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس سفر اور دوسری سیاحتوں کی بھی تفصیل موجود ہے، لیکن چونکہ اس کتاب کی نسبت صحیح نہیں ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی بعض دوسری تفصیلات ہیں۔۱۲

کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا جہاں کے مخلص (جو بعد میں خلفائے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا وصال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے؛ مزار شیخ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے شیخ کی وصیت کے مطابق ان کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیب تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد اور شیخ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنائے قدیم جو معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا۔ خادموں نے اندر جانے نہیں دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی منتظر تھا کہ ایک روز شیخ باہر تشریف لائے سرہنگا قدموں پر گر گیا اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں، شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھ کر تنبیہ غیبی ہے دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں۔ ابھی مزید تکمیل ترقی مطلوب تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدینؒ نے تو آپ کو اس جگہ بٹھایا ہے۔ آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا کہ پیرؒ نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے۔ شہر میں رہوں یا جنگل میں وہ ساتھ ہے۔"[1]

ہانسی کا قیام اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدینؒ کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہل ہانسی کو آپ کے مقام مرتبے سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہو گئی اور خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے کھتوال کا رخ کیا جو

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۳)

وطن قدیم تھا۔ کھتوال ملتان سے قریب تھا، اور اُن کی شہرت اور عظمت کا آوازہ اب دُور دُور بلند ہو چکا تھا، آپ نے اجودھن[1] کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ:۔ وہاں کے لوگ درشت مزاج اور نا آشنا ہیں اور جگہ بھی غیر معروف ہے، لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوعِ عام شروع ہو گیا اور خلائق نے ہر طرف سے ہجوم کیا۔ آفتابِ شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اس کی شعاعیں دور دور پہنچ رہی تھیں اور طالبینِ خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا، آدھی رات تک دروازے کھلے رہتے۔

ابتدائے قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت، فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گزاری، پیلو کے پھل ابال لئے جاتے تھے اور ان میں کچھ نمک ڈال کر فقراء کو تقسیم کر دئیے جاتے تھے اور خود بھی اپنے بھائیوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔ توکل و تجرید کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کیلئے لقمہ اٹھایا فرمایا اس میں کچھ بے اصولی معلوم ہوتی ہے؟ خادم نے عرض کیا کہ نمک نہ تھا، ایک دانگ کا نمک قرض لے کر ڈال دیا۔ فرمایا۔ تم نے بے اصولی کی، میرے لئے اس کا کھانا روا نہیں[2]۔ کچھ عرصہ کے بعد حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا گدا کہ بادشاہ اپنا حصہ پاتا۔

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی، حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ عجیب قوت اور عجیب طرزِ زندگی تھا جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں، نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے تھے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے سب کے ساتھ یکساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش

---

[1] اجودھن کو اب پاک پٹن کہتے ہیں اور وہ ضلع منٹگمری (پاکستان) کا ایک قصبہ ہے۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء (صفحہ ۶۹)   [3] ایضاً (صفحہ ۶۶)۔

آ گئے، مولانا بدرالدین اسحٰق فرماتے ہیں کہ: میں خادمِ خاص تھا جو بات کبھی ہوتی مجھ سے فرماتے تھے خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔[1]

ایک بار سلطان ناصرالدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوچ اور ملتان کے سفر میں ہمرکاب تھا خواجہؒ کی زیارت کیلئے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ: "ہجوم قابو سے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہؒ کے پیرہن کی آستین بالاخانہ سے لٹکا دی۔ اہلِ لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہو گئی۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ: میرے گرد حلقہ بنا لو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فراش حلقہ توڑ کر اندر گھس گیا اور شیخؒ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا: "شیخ فریدؒ! تنگ آ گئے؟ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو۔" شیخؒ نے یہ سن کر نعرہ مارا اور اس فراش کو بہت نوازا اور اس سے معذرت کی۔[2]

سلطان ناصرالدین نے خود حاضری کا قصد کیا، نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہمرکاب تھا، عرض کیا کہ: "لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور جہاں پناہ کی طرف سے عقیدت اور یہ فتوح پیش کر دوں۔ چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لے کر حاضر ہوا اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخؒ نے فرمایا: "یہ کیا ہے؟" غیاث الدین نے کہا کہ: یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی۔" شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ:

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۸۵) [2] ایضاً (ص ۸۶)

نقد رقم تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی[1]

سلطان غیاث الدین حضرتؒ سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا اور دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرتؒ کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا، حضرت خواجہؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار سے ایک سفارشی رقعہ لکھا جو سفارش و بے نیازی کا عجیب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں:۔

> "میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیجئے گا تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا آپ معذور ہوں گے"[2]

حضرت شیخ فرید الدینؒ کے اپنے ہم عصر اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور ان کے بڑے قدرشناس اور قدردان تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جو سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گزرے ہیں[3] ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے۔ دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے اور آپس میں بہت عجیب اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدینؒ شیخ بہاء الدینؒ کو شیخ الاسلامؒ کے لقب سے مخاطب

---

[1] سیر الاولیاء ص ۸۰۔ ۱۲ [2] اخبار الاخیار۔ اصل رقعہ فصیح عربی میں ہے۔ ۱۲

[3] شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ۵۷۸ھ کی ہے، اور شیخ کبیر کی ولادت ۵۶۹ھ کی۔

کرتے تھے۔ دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگداشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ اور شیخ کبیرؒ کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فرید الدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز، ذوق و شوق اور سوز و درد عشق اور جذب الٰہی و حال مستی ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاء الدین علی صابر جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی، یہ اجودھن کی اس دکان عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیرؒ حضرت خواجہ فرید الدینؒ حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں اسی عالم کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم ❊ خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی ❊ از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے مجھ مسکین دکھیارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے جیتا ہوں آپ ہی کے لئے مرتا ہوں)۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے، پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص۱۳۲

خشیت و رقت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقت خیز بات سنتے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی واقعہ سنتے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات دھاڑیں مار مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا، دونوں تجوید یا رسالہ اور حفظ قرآن کی اپنے خلفائے خاص و مریدانِ با اختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔ سماع کا بڑا ذوق تھا۔ کسی نے کہا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے، فرمایا:

سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد — سبحان اللہ! ایک جل بھی چکا اور راکھ بھی
دیگرے ہنوز در اختلاف است[1] — ہو گیا اور دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دول و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، استغنائے کامل اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے، ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدرالدین غزنویؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے خصوصی تعلق رکھا تھا اور اُس نے ان کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور ان کی خصوصی طریقہ پر خدمت کرتا تھا۔ انقلابِ روزگار سے جب وہ امیر عتابِ شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی۔ آپ نے شیخ کبیرؒ سے دعا کی درخواست کی۔ شیخؒ نے جواب میں لکھا کہ:

"جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا، جس سے ہمیشہ بچ کر رہیگا۔ آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدین میں ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدینؒ

---

[1] ملاحظہ ہو حالات حضرت سلطان المشائخؒ ۔ ۱۲۔ [2] سیر الاولیاء ۱۴۱۔

اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے خانقاہ جہانگرد کاں جائیں ان کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا۔[۱]

ان کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوعِ عام اور امراء و خواص کی عقیدت کے استقلال پہلے پھر عسرت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرمایا کرتے:۔

"حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الدینؒ کے انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی پیش آئی۔ میں ماہِ رمضان میں موجود تھا۔ اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا کھایا! سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا۔ میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی[۲] عطا فرمایا۔ اس روز مولانا بدر الدین اسحاقؒ کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ آج توقف کریں کل جائیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا اجازت ہو تو اس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے۔ حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دعائیں دیں۔"[۳]

صاحب سیر الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت سے وفات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

---

[۱] سیر العارفین صفحہ ۱۳ ماخوذ از بزم صوفیہ [۲] سکہ (غالباً اس وقت کا روپیہ)

[۳] سیر الاولیاء ص ۶۲

"محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی۔ عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی۔ ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے، فرمایا دوبارہ پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بیہوش ہو گئے۔ اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دو بار پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں کون جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی۔ اسکے بعد واصل بحق ہو گئے۔[1]

تاریخ وفات ۵ محرم روز شنبہ ۶۶۴ھ ہے۔[2] اجودھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہؒ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ نصیرالدین نصراللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدرالدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب۔ صاحبزادیوں کے نام: بی بی مستورہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۸۵

[2] صاحب سیر الاولیاء نے متعدد مقامات پر ۶۶۹ھ کے ایسے واقعات نقل کیے ہیں جو حضرت خواجہؒ کی زندگی سے متعلق ہیں۔ بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے مجھ سے یہ فرمایا، فلاں ہدایت کی، اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سنہ وفات ۶۶۴ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور ہے مشکوک ہو جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت شیخؒ کی وفات اسکے بعد ہوئی۔ بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنین درج ہیں ان میں قرین قیاس ۶۷۰ھ ہے جو خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ اخبار الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔ ۱۲

حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمانؒ آپ کے سجادہ پر بیٹھے ان کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاؤالدین اجودھنی تقدس و اتقا میں مشہور تھے ۔ محمد تغلق بھی ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے روحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہؒ کی اولاد و خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی ۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے ۔

حضرت خواجہ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ ، شیخ بدرالدین اسحٰقؒ ، شیخ نظام الدین اولیاء ، شیخ علی احمد صابرؒ اور شیخ عارفؒ ۔

شیخ جمال الدین (احمد بن محمد خطیب ہانسوی) حضرت خواجہ کے بڑے عزیز خلیفہ و معتمد خاص تھے ۔ انہیں کی خاطر حضرت خواجہ نے ۱۲ سال ہانسی میں قیام فرمایا تھا ۔ آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ ہانسی جا کر شیخ جمال الدین کو دکھا دینا اگر شیخ جمال الدین صاد فرماتے تو آپ بھی اسکو قبول کرتے ، اگر وہ صاد نہ کرتے تو آپ بھی نامنظور فرماتے اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا سیا نہیں جا سکتا ۔ فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے ۔

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۵۹ھ میں انتقال کیا ۔ شیخ قطب الدین منورؒ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں ۔

شیخ بدرالدین اسحٰق بن علی سادات بخارا میں سے تھے ۔ حضرت خواجہ فریدالدینؒ کے خلیفہ ، خادم اور داماد تھے ۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اپنے شیخ کی

سیر الاولیاء صفحہ ۱۹۱

دیکھو فوائد الفواد ، خیر المجالس ، سیر الاولیاء و اخبار الاخیار وغیرہ

صبر و تسلیم کا نمونہ تھے۔ آنکھیں ہمیشہ پرآب رہتی تھیں، رقت کا بڑا غلبہ تھا جس سے ضعف بصارت ہو گیا تھا، کسی نے کہا کہ آپ نا آسودہ کیں تو میں آپ کے استعمال کے لئے سرمہ بنا دوں، فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں، ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر شیخ کبیرؒ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، نہایت جید الاستعداد اور فاضل اجل تھے، مدت تک دہلی کی مشہور درسگاہ معزیہ میں مدرس رہے، تکمیل علم کے لئے بخارا تک کا سفر کیا، فارسی و عربی میں بے تکلف آبدار شعر کہتے تھے، مضامین علمیہ کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی، صرف کے مسائل میں ایک منظوم رسالہ ہے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے امام خانہ تھے، انھیں کے صاحبزادے تھے ۲ر جمادی الاخریٰ سنہ [illegible]ھ میں وفات پائی۔

شیخ عارف کو حضرت خواجہؒ نے خلافت دے کر سیوستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت خواجہؒ کو خلافت نامہ واپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ مسکین اس کار عظیم کا اہل نہیں، مجھے آپ کی دعا اور عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے اور واپس نہ آسکے۲۔

شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں ان کی نظیر نہ تھی، پیران کلیر میں عرصہ تک عبادات و مجاہدات میں مشغول رہ کر ۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ یا ۶۹۱ھ میں وفات پائی، حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے۳۔

۱؎ ترجمۃ الفوائد ج ۱ ۲؎ سیر الاولیاء ص [illegible] و [illegible]

۳؎ ترجمۃ الفوائد ج ۱، یہ عجیب بات ہے کہ شیخ علی احمد صابر کے حالات سے معاصر تذکرے بالکل خاموش ہیں۔ سیر الاولیاء میں امیر خورد نے ان کا تذکرہ ضمناً اسی طرح کیا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی المتوفی [illegible] ہیں

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین چشتی شیخ ہیں جن کے اثرات ان کی زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنہوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متاثر کیا اور حکومت سے لیکر عوام تک غرباً کہ سب کو اپنے حلقۂ عقیدت و اثر میں لیا۔ انہی کے ساتھ ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷) ـــــــــ کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابر پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اس نام کے کسی اور بزرگ کا۔ امیر خورد لکھتے ہیں:-

بندہ از حضرت والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ شنیدہ	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے
درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ	کہ ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر
او را شیخ علی صابر گفتندے و در سرستی بودے	کہتے تھے، سرستی میں ساکن اور صاحب
صاحب نعمت تمام داشت و در کلیر قصبہ ساکن بود	نسبت تامہ تھے قصبہ کلیر کے رہنے والے تھے۔
و بیعت و صحبت شیخ شیوخ العالم فرید الحق	حضرت شیخ فرید الدینؒ سے نسبت ارادت
والدین قدس سرہ العزیز داشت و از حضرت	رکھتے تھے اور آپ نے ان کو اجازت بیعت
شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت یافتہ بود (۱۹۵)	دے رکھی تھی۔

معاصر یا قریب کے تذکروں میں خانوادہ کا تذکرہ بالکل نہیں یا سرسری و مختصر ہوا ہے لیکن سلسلہ کے مشائخ کرام کے حالات ان کا ملفوظات ان کے علوم و حقائق، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں ان کے فیوض و برکات سے آخر تسلیم کیا کہ یہ سلسلہ بہت عالی مقام، عالی نسبت اور صاحب مقبول تھے۔ اس کے بعد گو تاریخ کی شہادت ہی ضروری ہو سکتی اور نہ یہ تاریخ کی بھول، غفلت اور چوک ہے۔ زمانہ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی نگاہ سے اوجھل رہ گئیں اور بعد میں نمودار ہو رہی ہیں۔

اس سلسلہ صابریہ چشتیہ میں جو بڑے نامور مشائخ عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے ان میں حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی

ہندوستان کے پہلے شیخ طریقت اور مرشد صوفی ہیں جن کے حالات سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت اور استناد کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان سے پہلے مشائخ نے خود کوئی تصنیف کی نہ ان کے خلفاء نے اپنے شیوخ کے ملفوظات و حالات جمع کئے۔ نہ انھوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات و حالات کا کوئی مجموعہ تیار کیا، لیکن ان کے ملفوظات جمع کئے گئے

(صفحہ ۴۸ کا بقیہ حاشیہ) جن کی ذات و برکات کو بعض اہل نظر نے تو برصغیر کا مجدد بھی شمار کیا ہے۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا۔ اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک فعال یہی سلسلہ ہے، دار العلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمات اور مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و مواعظ سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہو گئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں صحیح لکھا ہے کہ:

> "گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔" (ص ۲۲۲)

آج بھی رائے پور میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب کی خانقاہ سلسلہ چشتیہ کی قدیم خانقاہوں کی یکسوئی، سرگرمی، یادِ حق کی مشغولیت اور درد و محبت کی یاد تازہ کرتی ہے۔ بڑا افسوس ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد یہ خانقاہ بھی گذشتہ خانقاہوں کی فہرست میں شامل ہو گئی، کل شیء ھالک الا وجہہ۔ ؎

عالم شدہ ویراں تا میکدہ آباد است

ف حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات خیر المجالس میں ہے، فرمایا میرے حضرت (البقیہ صفحہ ۵۰ پر)

خاص اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلہ میں دو بڑے تحقیقی و مستند ماخذ ہیں۔ ایک فوائد الفواد جو امیر حسن علا سجزی (م ۷۳۷ھ) کی تالیف ہے۔ حضرت خواجہ نے اس کو لفظاً لفظاً سنا اور تحسین فرمائی اور حضرت خواجہ کے اصحاب و خدام نے اس کی صحت کو عام طور پر تسلیم کیا اور حرز جان بنا لیا[1]۔ دوسرا سیر الاولیاء جو امیر خورد سید محمد مبارک علوی کرمانی (م ۷۷۰ھ) کی تصنیف ہے۔ امیر خورد خورد سالی ہی میں حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی۔ پھر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے رجوع کیا۔ ان کے والد نور الدین مبارک بن سید محمد کرمانی (م ۷۱۱ھ) حضرت خواجہ نظام الدین کے رفیق قدیم اور مخلص بے تکلف دوستوں میں تھے۔ اس کتاب میں جابجا ان کی روایت ہے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے بھی سنی ہوئی بہت سی باتیں درج ہیں۔ اپنے چشم دید حالات اور سنے ہوئے ملفوظات بھی ہیں۔ حضرت خواجہؒ کے حالات و سوانح اور ان کے خلفاء کبار کے حالات و کمالات کا یہ مفصل و مستند ذخیرہ ہے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے خاص طور پر حضرت خواجہ کے حالات، ذوق، رجحان طبع، تعلیم و تربیت کے طریقے، اصلاحی و تبلیغی کوشش، ان کے فیوض و برکات اور اثرات محفوظ ہو گئے اور تاریخ کی روشنی اور گرفت میں آ گئے۔

ص ۴۹ کا بقیہ حاشیہ

پیر و مرشد جناب سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے: میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اس واسطے کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین بختیار قدس سرہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو اہل ہمارے شجرے میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔

(سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس)

[1] اس میں ۳ر شعبان سے ۷ر شعبان تک کی مختلف مجالس کے ملفوظات ہیں۔

اس شخصیت کی عظمت و تاثیر اور حالات و مآخذ کی سہولت کی وجہ سے دعوت عزیمت کی ایک مرکزی اور عہد آفریں شخصیت کی حیثیت سے ان کی ذات کا انتخاب کیا گیا، کتاب کے آئندہ ابواب اسی اجمال کی تفصیل کے لئے ہیں۔

باب دوم ۲

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ

حالات و کمالات

نام و نسب محمد نام، نظام الدین لقب، معروف نام، والد ماجد کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے، ننہال بھی سادات میں تھی، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور رہے پھر وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی[1]، بدایوں قدیم بلاد میں ہے، شرفا و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کر لی تھی[2]۔

---

[1] صاحب سیر الاولیا نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کی تعیین کی ہے۔ ۱۲

[2] بدایوں روہیل کھنڈ میں دریائے سوت کے بائیں کنارے پر واقع ہے، اگلے زمانہ میں بہت آباد (بقیہ برصفحہ)

ابتدائی تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں اس دریتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مربیانہ محبت اور مادرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی۔ قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستار فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا۔ بابا خاطر جمع رکھو میں اس کی تدبیر کروں گی چنانچہ روئی

---

(۱) بداؤں کافی بڑا شہر اور پر رونق مقام تھا اور دہلی کے لئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا، چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازہ کا نام دروازۂ بداؤں تھا۔ (نزہۃ الخواطر)

قلعہ بداؤں کے جو موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دیتے ہیں ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام التمش شمس الدین کو امیر بداؤں مقرر کیا۔ التمش نے یہاں ۱۲۲۳ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس حقیقت سے مل سکتا ہے کہ دہلی کے بادشاہ التمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بداؤں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل بداؤں) منقول از مقالات دینی و علمی مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے۔ (جلد اول صفحہ ۲۶۰)

(۲) مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزی کے مریدوں میں تھے اور انہیں شیخ کے نقش قدم پر فقر و حال کا بڑا اہتمام تھا، عسرت و تنگی کے ساتھ گزارا کرتے تھے، اور وقت عزیز کو اوراد و عبادت میں مشغول و مصروف رکھتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر بحوالہ فوائد الفواد)

خرید کر اسکو کتوایا اور بہت محنت سے پگڑی تیار کر کے رکھی۔[1] والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحاء وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی۔[2]

فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت

اس عجیب شریف گھرانے میں جو سایہ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس دن ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا۔ چند دن تک اس سے روٹی ملتی رہی میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں کہ ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔[3]

شیخ کبیر سے مناسبت اور قلبی کشش

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا۔ بارہ سال کا رہا ہوں گا کچھ کم زیادہ۔ اس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خراط کے نام سے مشہور تھا (ابوبکر قوال بھی کہتے تھے) میرے استاد کے پاس آیا، وہ ملتان ہو کر آرہا تھا، اس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پاس سے آرہا ہوں، اس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر و شاغل ہیں اور اوراد و نوافل کا ایسا اہتمام ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا مگر کوئی چیز

---

[1] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۲۴۲ [2] ایضاً ص ۲۱ [3] سیر الاولیاء ص ۱۱۳

[4] شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔ ۱۲

میرے دل میں نہ جمی۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دیکھا اور اس نے شیخ الاسلام شیخ فریدالدینؒ کا تذکرہ کیا۔ یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ ان کا نام لینے میں مزا آنے لگا اور میں ہر نماز کے بعد مزے لے لے کر ان کے نام کی ورد کرتا۔[۱]

دہلی کا سفر سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔[۲]

دہلی میں طالب علمی آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت تین چار سال کی تھی۔ دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔

یہ سلطان ناصرالدین محمود کا عہدِ حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری اور مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔

---

[۱] سیر الاولیاء (ص [illegible]) فوائد الفواد (ص ۱۲۹)

[۲] یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے اور حضرت خواجہ فریدالدین سے بیعت کی۔ بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے (سیر الاولیاء ص [illegible]) اس لئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے اجودھن تشریف لے گئے۔

[۳] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (ص [illegible]) -۲۷

[۴] یہ عہدہ محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔

حضرت خواجہؒ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے۔

اُستاد کے محبوب

مولانا شمس الدین کو حضرتؒ سے تعلق خاص تھا اور وہ ان کے محبوب ترین شاگرد تھے، آپ جس حجرۂ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہؒ اور ان کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔[1]

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے غزل فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آتے تاکہ میں بھی وہ قصور کروں لیکن مجھ سے ناغہ ہو جاتا یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے ؎

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحب آبدیدہ ہو گئے اور سب حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے تھے، میں ہر چند عرض کرتا مگر منظور نہ فرماتے۔[2]

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت، مناسبت خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا۔ علمی مباحثوں اور سوال و جواب میں (جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزو اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طلاقت لسانی اور قوت استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لاجواب ہو جاتے

---

[1] سیر العارفین ص ۱۲

[2] فوائد الفواد ص ۲۳

اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا، چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام بحّاث اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔[1]

حفظِ مقامات اور اس کا کفارہ

اس زمانہ کے نصاب میں مقامات حریری داخلِ درس تھی، عام طور پر طلبہ صرف اس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہؒ نے اپنے علمی ذوق اور طبعی ذہانت سے اس کے چالیس مقامے حفظ کیے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار حفظ کی۔[2]

حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدث شیخ محمد ماریکلی مشہور بہ کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے پڑھی جو مصنف مشارق الانوار علامہ حسن بن محمد الصغانی کے براہ راست شاگرد تھے، صغانی ایک واسطہ سے صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی کے تلمیذ تھے، آپ نے ان سے مشارق الانوار کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۱

[2] ایضاً

[3] سیر الاولیاء ص ۱۰۱ اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہ منقول ہے ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ مؤرخ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر سنِ ولادت (۶۳۶ھ) کے حساب سے ۴۳ سال تھی اور شیخ کبیر کی وفات (۶۶۴ھ) کے تیرہ سال کے بعد، اس وقت کا ہے جب آپ مسندِ ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی، اجازت نامہ میں آپ کے لئے "الشیخ الامام العالم الناسک السالک، مقبول المشائخ الکبار و منظور العلماء والاخیار الابرار" کے الفاظ ہیں، اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصول اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور طلب صادق کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلب کی بےچینی اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے اور ان کی ذہنی دلچسپی اور محنت اس سلسلہ میں کسی طالب علم سے کم نہ تھی لیکن ان کی روح کسی اور چیز کی جویا تھی۔ اس بحث مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں جب لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کی صحبت سے چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا میں کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں۔ امیر حسن علا سجزی عرض کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: "ہاں"

والدہ صاحبہ کا انتقال

دہلی کے قیام میں حضرت خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد

ایک روز عصر کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد   بشتابی وصال را بتدبیر کند[1]

والدہ کا یقین و توکل

حضرت خواجہ فرماتے ہیں:- ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی۔ فرمایا کہ آئندہ مہینے کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے؟ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، دل

---

[1] فوائد الفواد (ص ...)

جی بھر آیا اور میں رونے لگا۔ میں نے کہا۔ مخدومہ! مجھ غریب کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ فرمایا اس کا کل جواب دونگی۔ میں نے اپنے خیال میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔ آخر شب یا صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی حرم کو بلا رہی ہیں۔ میں گیا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی۔ میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں اس کا جواب دیتی ہوں۔ پھر فرمایا اچھا بابا! داہنا ہاتھ کونسا ہے؟ میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہو گئیں۔ میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر مجھ کو مل جاتا تب بھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔[1]

ایک تمنائے خام

اس وقت دار الحکومت دہلی کی پوری فضا اور خاص طور پر طلبہ اور علماء کا طبقہ دربار کے تذکروں، اونچے منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصوں سے بہت گرم تھے۔ حضرت خواجہ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ اور امنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب متوکل سے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدین خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انہوں نے سنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ میں کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا۔ قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۵۱)

[2] فوائد الفواد

اجودھن کی پہلی حاضری

حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر کے برادر حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا۔ ان کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیر کے ساتھ محبت کی اس چنگاری میں جو کسی حد تک ان کے قیام کی وجہ سے طبیعت میں ودیعت تھی اشتعال و حرکت پیدا کر دی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا اور بالآخر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

طالب یا مطلوب؟

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود بھی بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ   سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ اپنے پابوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بیچین کئے ہوئے تھا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا اتنا ہی کہہ سکا کہ قدمبوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا۔ "لِكُلِّ دَاخِلٍ دَهْشَةٌ" یعنی ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔[1]

مرید کی خاطر

شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا کتنے معزز مسافر کتنے حافظ کلام اللہ کتنے عاشقان خدا زمین پر

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲)

سمجھتے ہیں، میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدرالدین اسحٰق کو پہنچی، انھوں نے فرمایا ان سے کہو، مرید کو تحقیق اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل، میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا، فرمایا جاؤ چارپائی پر سو رہو۔[1]

بیعت

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادے سے آئے تھے، اس کی تکمیل کی اور شیخ کبیر سے بیعت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔[2]

سلسلۂ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے اور علم حقیقی اور معرفت حقیقی میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے۔ گویا سعدیؒ کا یہ شعر حسب حال تھا۔ ؎

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طول طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حساس اور روح بیدار پر بار تھا لیکن اسکو ایک ضرورت سمجھ کر۔ اور یہ بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا، اختیار کیا تھا، اب جبکہ یقین کا سررشتہ اور علم حقیقی کا سرچشمہ مل گیا اس سلسلہ کو دراز کیا جانا طبیعت پر سخت بار تھا اور زبان حال کہہ رہی تھی ؎

میری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا اور طریقت کیلئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود انکے شیخ نے بھی ہدایت اسکی کی تھی، پھر مولانا نظام الدین سے ارشاد و تربیت کا جو کام لینا تھا اس کی نازک ذمہ داریوں کو

---

[1] سیر الاولیاء ص [illegible] [2] ایضاً ص ۱۱[illegible] [3] دیکھو فوائد الفواد ص [illegible]

ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی، یہاں بھی صاحب نظر شیخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کر دوں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟ شیخ کبیرؒ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کرو یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیئے۔[1]

شیخ کبیرؒ سے درس

شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی، چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے[2]۔ اسکے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی اور چھ پارے کامل تجوید کیساتھ پڑھائے[3]

درس کی لذت

حضرت خواجہ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے، فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سنے وہ کبھی سننے میں نہ آئیں گے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آ جاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔

خورد شکنی کی تربیت

عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چند دن اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل رہا، خواجہ نے دماغی زور لگا

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰٦ [2] ایضاً ص ۱۰٦ [3] فوائد الفواد ص ۱۵٦

میں کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا، وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا: "درویش را قوت تصحیح نسخۂ سقیم نیست" (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) یا دو بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن جب بار بار شیخ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو بھی نہ سمجھا، اتفاقاً مولانا بدرالدین اسحٰق نے بتلایا کہ خطاب تمہاری طرف ہے، حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے، فرماتے ہیں کہ "سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم" کہتے جاتے تھے نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔ خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اٹھ گیا، لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کروں۔ اس دن جیسا مجھ پر گزرا اور جس حزن و غم کا سامنا پڑا شاید ہی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ میں روتا ہوا باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو جی چاہا کہ کنویں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل جول تھا۔ انھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا۔ حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی۔ "آمدم سر برہنہ کردم و آمدم" معاف ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا: "یہ سب میں نے تمہاری تکمیل حال کے لئے کیا ہے، پیر مشاطۂ مرید ہوتا ہے۔" اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔[1]

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۲۹) یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے کینہ رکھا یا ایک معمولی سی بات پر ورنہ اس قدر ناراضگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا، اسلئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے یہ سب معاملہ بتکلف بغرض تکمیل باطنی ارشاد و تعلیم کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اسکے لئے اپنے مذاق و مناسبت کے مطابق اعتبار کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی تعریض یا قسم کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک کی ابتلا کے واقعہ سے انکو اس کا بھی ثبوت بیان سے بالا تر وہ سلوک معلوم ہوتی تھی جو سزا تشریں کی گئی اور ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا۔ [illegible]

فیصلہ کن موقع

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ نے ان کے صرف اتنا کہہ دینے پر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا، اگر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ "میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اتنی ناراضگی اور اتنی برہمی کی ضرورت نہ تھی لیکن شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی، پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہنچانا تھا اس کے لئے اضطرار و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد نوجوان کے لئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا، یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا، اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے: —

"صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا۔ دنیا دیکھ رہی تھی اب بیچارے نظام الدین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحاث اور محفل شکن ہونے کے لقب کو لیکر دنیا سے واپس چلے جائیں گے! جیسے لاکھوں ہی بحاث و محفل شکن آئے اور چلے گئے" یا شیخ کے سلطان کا جو تخت عالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں! اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے اور سچ یہی ہے —

تری نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جو اب تک ان کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور دامن تنگ دامانی

۱۔ ص ۱۳۰ کا بقیہ حاشیہ [illegible] اس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

کے علاج کے آخری فیصلہ پر پہونچ گئے، ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور، میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک شبہ تھا جس کا علم تھا، اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس بات پر یہ برہمی کیا معنی؟ یا یہی شیخ شکر سامنے آجاتا تو یہی کہہ سکتا تھا، یہ تو نہیں کہ شیطان کی آفت میں اب پھنس گیا ہوں۔ بڑھاپے میں آکر حواس صحیح نہیں رہا ہے، مزاج میں تندی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو نفسانیت کا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا تھا، بلکہ دنیا کی آزادی سلطنت بھی چلتے تو اسوۂ حسنہ نبویہ کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کوتاہی اور غلطی کو دکھا سکتے تھے، لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے آئے آئے تھے، شیخ کبیر کو ڈاکٹر کا علاج اب جس سے آئے تھے مقصود نہ تھا، اس کو طے کر چکے تھے کہ معالج طبیب ہے، اس کے بعد تنقید کا حق ان کے لیے باقی ہی کب رہا تھا۔[1]

ایک رفیق کی ملامت

شروع شروع میں جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا، ایک عالم جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے اجودھن آئے، انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و افسوس سے مجھ سے کہا: "مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے" میں نے اپنے دوست کی یہ بات سن کر ان سے معذرت کر دی۔ اس کے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے خود ہی فرمایا کہ نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، تو اس کے جواب میں یہ مطلع پڑھ دینا

---

[1] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۴۲-۵

جو تو رنج اٹھاتا ہے۔ وہ خوشحالی کا ذریعہ بنتا۔ اور یہاں اس حال میں کیوں ہو تو تم اسکا کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہوگا وہی کہہ دونگا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا ۔ ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو   ترا سلامتی بادا مرا نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے ایک وقت کا کھانا ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو دوڑا ہوا آیا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا، اس نے یہ سنکر کہا کہ الحق ہے شیخ ایسے ہیں کہ الحمد للہ تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھالو اور ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھکر لیجاؤنگا۔ غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہنچے اور میرے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت توبہ کی اور آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہوگئے۔

تین بار حاضری اور شیخ کی نوازشیں

حضرت خواجہ شیخ کبیر کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے پہلی یا کسی بار حاضری میں خلافت سے مشرف ہوئے تذکروں میں تیسری بار کی صراحت نہیں ملتی۔ آخری حاضری میں ایک دن ۵ رجمادی الاولیٰ کو نماز جمعہ کے بعد جبکہ شیخ کبیر نے اپنا لعاب دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا، قرآن مجید کے حفظ کی وصیت فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین و دنیا تم کو دی۔ یہاں سب کچھ ہی ہے دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا ۔۔۔

۱؎ سیر الاولیاء ص۲۲۳ و ص۲۲۴   ۲؎ نیز فوائد الفواد ص۳۷

۳؎ یہاں سیر الاولیاء میں سنہ تسع وستین وستمائۃ (۶۶۹ھ) یا تو غلط درج ہوگیا ہے ورنہ تسع وخمسین ہوگا ہے، کیونکہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۶۶۴ھ ہے یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کی مدت زندگی مختلف ہے جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ اخبار الصالحین ذکر ۶۷۰ھ مشتبہ درج ہے بہر حال سیر الاولیاء کے متن میں تضاد ہے

ہمہ طالب چند گیرے نظرۂ مصلحت نگفتی[1]

رخصت اور وصیت

فرمایا کہ دہلی جاؤ تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (فضل) روزہ رکھنا نصف راہ ہے، دوسرے اعمال نماز و حج (فضل) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین ہانسوی کو اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا، اور ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا، بڑا اظہار مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا ؎

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس[2]

ایک دعا کی درخواست

اسی مسافری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ خلق کے در پر نہ جانا پڑے، یہ درخواست قبول ہوئی اور دعا فرمائی گئی[3]۔

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تھوڑی سی دنیا مانگی ہے، خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑ گئے میرا کیا حال ہوگا، شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے۔ خاطر جمع رکھو، اب مجھے اطمینان ہوا[4]۔

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۴۳) [2] ایضاً ص۱۱۲ و ص۱۱۳ اس واقعہ کو سیر الاولیاء میں ۶۶۹ھ بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔ [3] سیر الاولیاء ص۱۱۳۔ [4] ایضاً ص۱۲۱

اجودھن سے دہلی کو

خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیر روحانی اور خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم ترین مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی سب سے عظیم اسلامی دار السلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغناء عن الخلق کے سوا کوئی زاد راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے:۔

> "ہند گیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دار السلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر تک ہتھیار بند ہوئے آہن پوش جمائے بیٹھے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جن کی زبان کی معمولی حرکت لاکھوں کے تن کو سر سے جدا کر دیتی ہے، وہ بھی ہیں جن کی نیاز مندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہنچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے، مناصب بٹ رہے ہیں، روپے لٹائے جا رہے ہیں، گودیں بھر رہی ہیں، اور جن جن ذرائع سے یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سب سنتے ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی عنصروں کی محفلوں میں ان کا نام شہرت پا چکا ہے، کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لے کر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں۔ لیکن اب خالق کی صورت میں جو الٰہ ان کو مل چکا تھا، سینہ اسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی۔ قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہ کبھی کبھی ان مشہور تر الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:۔

"ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق   در نزد یکی او ہمہ چو پشک شتر ننماید[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص [illegible]

مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلام کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا اپنی [illegible] ان کو نگاہ خلق میں حصول عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں کہ:

درمیاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر	یہ سنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں
چشم پر آب کرد و بر لب مبارک راند	آنسو آ گئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلام کو
بسوزانید اول شیخ الاسلام را پس	کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو،
خانقاہ را بعد از اں خود را[1]	پھر اپنی خودی کو جلا کر خاک کر دو۔

بغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر تقسیم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے .... اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اسی کے پایہ تخت میں آپ پہنچ گئے۔[2]

تصفیۂ حقوق شیخ کبیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲۰ جیتل[3] ایک شخص کے دینے ہیں اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے، میں نے بداؤں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی پہنچوں گا

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۳)

[2] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص ۵۱)

[3] جیتل یا چیتل تانبہ کا ایک سکہ تھا۔ ایک تنکہ کے برابر ۴۸ جیتل [illegible] سمجھئے

تو ان اہل معاملہ کو ادا کرنے کی کوشش کروں گا، جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو ایک شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا، میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا، کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اسکو پہنچا دیتا، معاش کی بہت تنگی تھی کبھی پانچ جیتل ہاتھ آتے کبھی دس، ایک مرتبہ دس جیتل ملے میں اس بزاز کے دروازہ پر پہنچا، اسکو آواز دی وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمہارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں، ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی طاقت نہیں ہے یہ دس جیتل فی الحال وصول کر لو، دس انشاء اللہ اسکے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے یہ سنکر کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمان کے پاس سے آرہے ہو، بس وہ دس جیتل لے لئے اور کہا کہ باقی دس جیتل معاف کیے۔ اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اس نے مجھے پہچانا نہیں، میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا، میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے، اسکے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی۔[1]

دہلی کی قیام گاہیں

خواجہ صاحبؒ اہل دہلی علماء اہل ہند کی خدمت کیلئے جب دہلی پہنچے تو باوجود اس کے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ مخلوق اور ایوانوں سے آباد تھا اور روز نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جب تک غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا آپ نے کئی قیام گاہیں اختیار کیں اور کئی مقامات تبدیل کیے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لئے ایسا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔

سیر الاولیاء کے مصنف میر خورد اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دوست

---

[1] فوائد الفواد ص

اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں:۔

" جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو سرائے میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں، اترے، والدہ اور ہمشیرہ کو وہاں رکھا اور خود ایک تواس رکابگر کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوئے۔ امیر خسروؒ کا بھی اسی محلہ میں مکان تھا کچھ عرصہ کے بعد عماد عارض کا مکان خالی ہوا، اس کے رہنے والے لکھنوتی میں چلے گئے۔ امیر خسرو کی معرفت جو عماد عارض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کے لئے مل گیا۔ آپ دو سال اس مکان میں رہے، یہ مکان شہر پناہ سے متصل منڈہ دروازہ و مسجد علی کے نزدیک تھا۔ اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر آگیا تھا۔ مکان کے ایوان و سرائی چھوٹے چھوٹے اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں عماد عارض کے لڑکے آگئے اور سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا۔ آپ کی کتابیں جن کے سوا کوئی اور سامان نہ تھا ہم سروں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں (جو سرائے قتال کے سامنے تھی) لے آئے۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدرالدین کے مریدین میں تھے، بہ تضرع اور سلطان المشائخ کے پاس آکر بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پہ لے گیا۔ بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی، وہاں آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشائخ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے، اس کے بعد وہاں سے بھی اٹھے اور کاکا بدا کی سرائے میں جو قیصر گلی کے

متصل تھی۔ سرائے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محلہ میوہ فروشاں کی ابکار کے درمیان واقع تھا، قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شرابدار[1] کے لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ شمس الدین شرابدار کے مکان میں لے آئے۔ کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے۔ اس مکان میں بڑی راحت اور سکون خاطر میسر آیا۔[2]

فقر وفاقہ

خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلا و تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے ان چلنے والوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و مرشد و پیشوا بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی میں آ رہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا، لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اس کی میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے۔ خربوزہ کی اس ارزانی کے باوجود دہلی میں پوری فصل گزر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب نہ ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور شکر کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گزر جائے اور میں یوں ہی رہوں۔[3]

---

[1] بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)

[3] سیر الاولیاء (ص ۱۱۳)

غیر کے واسطے کے بغیر

اسی زمانہ میں جبکہ آپ شہر پناہ کے اندر ہی رہتے تھے جہاں دو دو وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا، ایک دن دوپہر گزر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی، ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ آج حضرت کو فاقہ تھا۔ اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو زرباف تھے اس کی اطلاع کی۔ وہ کھانا بنا کے لائے۔ کھانے کے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا کہ خبر کی تو اس نے برا کیا۔ فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لائے۔ آپ نے فرمایا: معاف رکھو۔ کتنی ہی ان لوگوں نے کوشش کی، آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔[1]

شیخ کبیرؒ کی وفات

آخری بار آپ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ۵ محرم کو شیخ کبیرؒ نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت نے رخصت کیا، بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی، رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی، میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمائے، میں یہ کھا لوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر فرض روزہ توڑنے کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے تمہارے لئے جائز نہیں۔[2]

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ نظام الدین تو دہلی میں ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا، ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد

---

[1] جوامع الکلم ملفوظات حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ ص ۲۹۶ [2] ص ۲۳۹ [3] فوائد الفواد ص ۲۳۰

میں جب یہ تذکرہ کرتے تو اس وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متأثر ہوئے۔[1]

وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ مصلےٰ اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کے لئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔[2]

غیاث پور کا قیام

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور و غل کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں مجھے بھی شہر میں رہنا نہیں اچھا لگتا تھا۔ ایک روز قتلغ خاں کے حوض پر تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کیا کرتا تھا، وہاں ایک درویش، جو خدا میں مشغول تھا، میں اسکے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ بھی شہر کے رہنے والے ہیں؟ اس شخص نے کہا: ہاں، میں نے کہا: اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا: یہ بات تو نہیں ہے، اسکے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک عرصہ میں نے ایک جھجے درویش کو دیکھا بیرون کمال دروازہ ایک حظیرہ میں جو لب خندق ہے اس دروازے کے قریب ایک ٹیلہ میں ہے جس پر شہیدوں کی قبریں اور ایک ہی جھونپڑی ہے، وہ درویش بیٹھا ہوا ہے۔ اس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن موانع پیدا ہوتے رہے، آج کئی سال ہوگئے کہ میرا ارادہ باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کرکے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کبھی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں، کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی[3] چلا جاؤں، وہاں الغ خاں ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بسنالہ چلا جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے چنانچہ

---

[1] فوائد الفواد ص۵۳

[2] سیر الاولیاء ص۱۳۲

[3] پٹیالی ایٹہ میں ایک قصبہ ہے جو خسرو کا آبائی وطن تھا اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔ ۱۲

بسنالہ چلا گیا، تین روز وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا، مگر یہ بات عجیب، ان تین دنوں روزانہ کسی ایک کا مہمان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا، اکثر ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو "باغ جسرت" کہتے ہیں، اللہ سے مناجات کی جس وقت متوجہ تھا میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں، لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں، اسی درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور" کے نام کی آئی، میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے، پس جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا۔ وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اس کے گھر گیا اور اسکو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہی غیاث پور ہے، الغرض غیاث پور آیا، اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی، آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا، میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی، جب کیقباد[1] نے کیلوکھری[2] کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا۔ امراء اور اعیان سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جب میں نے یہ عالم دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیے، اسی خیال میں تھا، ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے شہر میں انتقال ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب میں ان کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا، اپنے دل میں اس کو طے کر لیا۔ اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان زیبا حسین لیکن نحیف، خدا جانے مردان غیب میں سے

---

[1] سلطان معزالدین کیقباد (۶۸۶ھ - ۶۸۹ھ) بغرا خان کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا، ۳ سال حکومت کی۔

[2] سرسید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں، معزالدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قصر بنوایا اور کیلوکھری بسایا، لکھا اگرچہ اب قصر کا نشان نہیں ہے لیکن اسی مقام پر جو حضرت کے پاس موضع کیلوکھری کا ہے، اور دریا کے کنارے آباد ہے (آثار الصنادید باب ۳، صفحہ ۳)

تھا یا کون تھا، اس نے آتے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔ ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے جہاں خواہی شد

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا، اسی روز سمجھنا چاہیئے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں بھی کہیں جن کو میں نے لکھ لیا ہے اسکے بعد اس نے کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیئے اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہیئے کہ کل روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے اور یاد خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قوت حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یاد خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لا کر اسکے سامنے رکھا، اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا جب میں نے یہ نیت کر لی، تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[1]

رجوع عام غیاث پور کے دوران قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مدت گزرنے کے بعد آپ کی ذات بابرکات کو مرجعیت، اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے سامانی کا دور گذرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۹

کہ آپ سخت گرمیوں اور دھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پا پیادہ تشریف لیجایا کرتے تھے یہاں تک کہ اس عُسر کے بعد یُسر[1] کا دور آگیا اور وہ رجوع عام شروع ہوا جو انکے سامنے سلاطین دہلی کے دور اجلال کی عظمت ماند پڑ گئی، امیر خسرو کے ان اشعار کی تصدیق ہو گئی۔

؎ در جبۂ فقر بادشاہی   در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر و بے تاج   شاہاں بخاک پائے محتاج

فقر و تنعم

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ۔ وارد و صادر میں سے کوئی بھی ہوتا شہری جو آتا اور مسافر و قدمبوسی حاصل کرتا کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف[2] جو بھی غذا جو اسباب کہ ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا:۔

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے جاتے تھے مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے تھے اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرتؒ کی عنایت سے پاتا۔"[3]

---

[1] ان مع العسر یسرا۔ ان مع العسر یسرا ـــــ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ آ۶

[2] سیر الاولیاء۔

[3] سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (ص [illegible])

بیداری پر پہلا سوال

عادت مبارک تھی کہ جب قیلولہ سے اٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہوگیا، دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اسکو انتظار نہ کرنا پڑے۔[1]

دنیا سے تنفر اور بذل و عطا

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا آپکی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی۔ اکثر گریہ فرماتے، جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنی ہی زیادہ گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیجکر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورتمندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجرے اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد جاتے۔ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ پھر آگئے ہیں، فقیر کا وقت ضائع کرتے ہیں۔[2]

زمین و جائداد سے پرہیز

امیر حسن علا سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا، اس دن میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اس کے سامان کی دستاویز حضرت کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ حضرت نے قبول نہ فرمایا، متبسم ہوکر فرمایا کہ اگر میں اسکو قبول کرلوں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟ میرے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی۔[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص۱۳۵ ۔ [2] ایضاً ص۱۲۱ [3] فوائد الفواد ج۲ ص۹۹

فقیر کا شاہی دسترخوان

مجرد اور دائم الصوم تھے۔ لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع و اقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، شہری و پردیسی، صالح و گنہگار کسی کی تفریق نہ تھی سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں ہزاروں غربا کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے کانوں نے نام بھی نہ سنے تھے۔ بڑے بڑے امرا، درباری اور اعیانِ سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو رہتی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت و ارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ جس کا ہر وقت دروازہ کھلا رہتا تھا، حضرت خواجہؒ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے درویش کے اس "خوانِ سلطانی" کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

> "آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصروں کے ساتھ غریبوں کا جھگڑا اٹھایا جاتا ہے گویا یہی ایک قسم کی حدیث الا انعد و خیل لک بالوسع عمل کرنے کا نمونہ ان صاحبان کرام کا سلطنت کا اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیائے اسلام کی یہی تنہا انفاقیہ جہاں کوئی کا دستور تھا بلکہ ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا، گذر چکا کہ ولی عہد سلطنت خضر خان تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ایک خانوادہ بھی تھا جس میں اسے بھی گزارش داخل کرنی پڑتی تھی"[1]

---

[1] نظام تعلیم (ص ۳۰۲)

بھی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعہ سے ملک کے عام غربا فقرا تک ان کا حصہ پہنچ جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ :-

"مالِ صوفی سبیل است"[1]

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امرا اور غربا دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے، جس سے غریب اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ درمیانی دور میں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں

تؤخذ من اغنیائہم   ان کے دولتمندوں سے لیا جاتا ہے اور ان کے
وترد علی فقرائہم   فقیروں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب حکومت کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا خصوصاً جن بزرگوں کو کسی خاص وجہ سے امرا اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا، وہ سمجھئے کہ بڑی قسمت والی کشش تھی۔[2]

اسلام کے ان ادوار کی تاریخ پڑھئے تو اس چیز کو بھی آپ دیکھئے گا کہ امرا اور غربا کے درمیان ان بزرگوں کا وجود گویا ایک واسطۂ اتصال بنا ہوا تھا۔

اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جن کا اپنے اندر دوامی ہٹوائی رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ وہ بنا تھا، یہی ہوتی تھیں، بلکہ ان ہی کے

---

[1] نظام تعلیم ص۲۱۳ ، [2] ایضاً ص۲۲۳

ذریعہ سے غریبوں تک کیسی کیسی نعمتیں پہنچ جاتی تھیں، یہ کام بھی اس زمانہ کے غربا نے مشاہدہ کیا ہے۔[1]

شیخ کی غذا

شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے تھے لیکن اس شاہانہ دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام کے کھانے اور الوان نعمت چنے ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلے وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے۔[2] آپ کے ایک مرید باخدا حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:-

> "میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی، میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کے لئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک اسی میں رہا، منہ تک لانے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا۔"[3]

ترتیب

دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ حسب مراتب لگتے، قدیم ساکنان اور شیخ سے نسبت قرابت رکھنے والے ہوتے، پھر علماء، پھر سادات و اشراف۔[4]

سلاطین عہد سے بے تعلقی

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد سلطنت ہندوستان کی دینی رہنمائی، تعمیر سلطنت اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی تعمیر اور اس میں روحانیت و انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتداء ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر بھی تھی اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے ان متضاد باتوں کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا تھا۔ ایک طرف معاصر دنیا کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور تعلیم

---

[1] نظام تعلیم ص ۲۲۴ [2] سیر الاولیاء ص ۱۲۵ [3] ایضاً ص ۱۲۱ [4] ایضاً ص ۳۲

اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے۔ دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدین تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے۔ اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے طوفانوں میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا اور انقلاب سلطنت کا ان کے کام اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلّم رہی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کا پایہ معیاری رہنے اور ہندوستان پر اثرانداز رہنے کا۔ یہ صلاح اور شادابی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ ایک شیخ کبیر کے پاس سے ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ و ارشاد پر مامور ہو کر آئے تھے۔ دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے جاہ و جلال کیساتھ سلطنت کی لیکن شیخ نے ایک موقع کے سوا جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت و حرمت کی مجلس مناظرہ) وہ کبھی دربار میں گئے اور نہ بادشاہ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں ان کا آفتاب شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا، اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ معز الدین کیقباد لہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلجی جو بادشاہ ہوا تھا صاحب علم و ذوق جوہر شناس اور ارباب کمال کا قدرداں تھا اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف دار تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے، اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید

میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو۔ اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسرو کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے رازداری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ انہوں نے حضرت خواجہ سے جا کر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ حضرت خواجہ نے یہ سنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کا رخ فرمایا اور روانہ ہوگئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسرو پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا اور حضرت خواجہ کی قدمبوسی کی سعادت سے محروم کر دیا۔ امیر خسرو نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا لیکن مرشد کی رنجش سے سلب ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم و فرزانہ تھا اس نے یہ جواب پسند کیا اور خاموش ہوگیا۔

سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت

سلطان علاؤالدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبال مند بادشاہ اور سکندر ثانی اپنے چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتداء میں اس کو حضرت خواجہ سے کوئی خاص عقیدت نہ تھی بلکہ تنفر تھا۔ بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی اور ان کی مقبولیت اور رجوع عام سے سلطنت کے لئے خطرات ثابت کئے۔ سلطان علاؤالدین نے[1] امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خان کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں توجہ کی درخواست کی گئی تھی۔ جب خضر خان یہ خط لے کر حضرت کی خدمت میں آیا آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا۔ حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام ہم بھی ایک فقیر درویش ہیں شہر کے ایک گوشہ میں الگ رہتے ہیں بادشاہ اور مسلمانوں کے لئے دعاؤں میں مشغول ہیں۔ اگر اس پر بھی بادشاہ کو مجھ سے تعرض کرنا ہے تو میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں اللہ کی زمین وسیع ہے۔ سلطان علاؤالدین اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت و سیاست

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۴

کوئی سروکار نہیں لیکن یہ خواہ مخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑا دیں اور ان کی لعنت سے ملک تباہ ہو جائے۔[1]

بادشاہ کے آنے سے معذرت

سلطان نے حضرت خواجہؒ سے بڑی معذرت کی اور کہلوایا کہ میں آں مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے گستاخی ہوئی، معاف کیا جائے اور حاضری کی اجازت دی جائے کہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں۔ حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ: آنے کی حاجت نہیں، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بہت مؤثر ہوتی ہے۔[2]

گھر کے دو دروازے

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کیلئے بڑا اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئیگا، میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔[3]

غمِ اسلام

اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا، لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی اور مہماتِ سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہؒ سے رجوع کرتا، ایسے موقع پر آپ سے دعا کی درخواست کرتا اور آپ اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ: جب ملک نائب کافور ارنگل کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پر خطر ہو گیا تھا، راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں، چالیس پچاس روز سے زیادہ ہو گئے تھے کہ لشکر کی سلامتی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی، سلطان کو بڑا تردد تھا، اکثر اعیانِ امراء و دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنے کا شکار ہو گیا ہے اور سلسلۂ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک بار سلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا اور کہلوایا کہ لشکرِ اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے

۱؎ سیر الاولیاء ص۱۳۲ ۲؎ ایضاً ص۱۳۵ ۳؎ ایضاً ص۱۳۵

آپ پر اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے اگر دل و باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطلع تحریر فرمائیں۔ سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرت کی زبان سے جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں، اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ دونوں حضرات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلطان کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے پیغام سنتے ہی بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ جو فتح کی ہے مزید فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں۔ یہ سنکر ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی واپس آئے اور سلطان کو جواب سنایا۔ سلطان یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا، اس کو یقین ہو گیا کہ ورنگل فتح ہو چکا۔ اسی روز نماز عصر کے وقت فتح نامہ لے کر نائب کا قاصد پہنچا اور ورنگل کی فتح نامہ لائے دوسرے دن وہ فتح نامہ منبروں پر پڑھکر سنایا گیا، گھر گھر خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں۔ سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔[1]

ایک دوسرا واقعہ جب مغل علی بیگ نے حملہ کیا سلطان تغلق بھی جنگ میں شریک تھا، اس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کرایا کہ بڑا نازک موقع ہے آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہ نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں فتح کی خبر آئی، مغلوں نے شکست فاش کھائی۔[2]

قاضی ضیاء الدین سلطان علاء الدین کے اہل دربار میں سے تھے کہتے ہیں کہ میں نے پورے عہد حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہ کے بارے میں کوئی خلاف شان بات نہیں سنی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین شیخ کی شان و شوکت، رجوع خلائق اور شاہی لشکر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بدگمان ہو جائے، لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اسکو حضرت سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، اس کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۳۲ [2] سیر الاولیاء ص ۱۹۱

سلطان علاؤ الدین کے بعد اس کا بیٹا
قطب الدین مبارک شاہ والی سلطنت

سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اس کا قتل

خسرو خاں مجرم بگڑول کر کے غاصبانہ تخت سلطنت پر بیٹھ گیا

خضر خاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاؤ الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی۔ اس لئے قطب الدین حضرتؒ سے بھی ناراض رہتا تھا۔ اس نے دہلی میں ایک نئی جامع مسجد جو "مسجد میری" کے نام سے بنوائی تھی اور تمام مشائخ علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نماز جمعہ ادا کریں۔ سلطان المشائخؒ نے کہلا بھیجا کہ ہماری مسجد نزدیک ہے اور یہی احق ہے یعنی جا جو ہم گزار رہا کے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے اور وہ جمع میری نہیں گئے۔ بادشاہ سخت برافروختہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہر روز حضرتؒ کو اعیان اور مشاہیر شہر میں دربار شاہی میں حاضر ہو کر نذر گزارتے تھے۔ سلطان المشائخؒ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ہاں اپنی جگہ اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے

اس سے بھی وہ برہم تھا۔ اس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا کہ: —

"کسے بزیارت شیخ غیاث پور نرود"

(کوئی شیخ کی زیارت کے لئے غیاث پور نہ جائے)

امیر خسروؒ نے لکھا ہے کہ: "بادشاہ گفت کہ ہر کہ سر شیخ بیارد ہزار تنکہ او را دہم" (جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنکہ دوں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں سلطان جی اور قطب الدین کا آمنا سامنا بھی ہو گیا۔ سلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا۔ قطب الدین نے جواب نہ دیا۔ بلکہ

مسلسل واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے۔ نوچندی ہی کی حاضری پر اصرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ "اگر در غرۂ ماہ آئندہ نیامد بیارم چنانکہ خواہم" گویا کہ یہ اصل دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار میں گھسیٹ کر بلواؤں گا۔ شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔ جب سلطان جی کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی۔ سلطان المشائخ ہیچ نگفت۔ اب جبکہ ایک ایک دن گن کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا "مریدان و نزدیکان و متعلقان مخلصان را دردے و بے صبری بود" جب مہینہ بیتنا نزدیک آگیا تھا اہل تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا۔ چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا۔ کل پہلی تاریخ ہے۔ شہر کے اعیان و امراء دربار میں جائیں گے۔ لیکن سلطان المشائخ یہی طے کیے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کیے ہوئے ہے کہ "اگر نیامد بیارم چنانکہ دانم" صرف شب درمیان است۔ دلّی میں کھلبلی پڑی ہوئی ہے، دنیا اور دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گذرنے بھی نہ پائی کہ "ہم دریں شب ماہ بلائے از آسمان بر جان بادشاہ نازل شد" اسی شب دہلی بادشاہ کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی یعنی "خسرو خاں موئے سر سلطان را گرفت و باہم درآویختند پہلوئے سلطان را بہ خنجر شگافتہ بر زمین انداخت و سر آں محروم را از تن جدا کردہ از بام ہزار ستون بزیر افگندند" (طباطبائی) خسرو خاں نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑ لیے اور دونوں باہم دست و گریباں ہوئے۔ خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا اور اس شامت زدہ کا سر تن سے جد

؎ نظام تعلیم ص [illegible]

کر کے بام ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔[1]

غیبی لنگر اسی زمانہ میں جب سلطان قطب الدین کی طرف سے اس بات کی خاص روک تھام تھی کہ امراء دربار اور اعیان سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں کوئی نذرانہ پیشکش نہ ہونے پائے، تاکہ دیکھا جائے کہ یہ خانقاہ یہ لنگر خانہ کس طرح چلتا ہے، آپ نے خاص طور پر تاکید فرمائی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دسترخوان پہلے سے وسیع تر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا:-

"ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے بہکایا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے اور امراء و سرداروں کی دی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم دیا کہ کوئی امیر یا

---

[1] یہ قتل امام تعلیم و تربیت ص ۶ سیر الاولیاء میں بیان ہوا منقول ہے۔ مگر تاریخ و ماہ و سنہ درج نہیں ہے۔ صفحہ (الف) تاریخ فرشتہ جلد اول (نولکشور) میں صرف سلطان قطب الدین سلطان کے قتل کی تاریخ شب جمعہ ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ مذکور ہے جس کا ماخذ ترجمہ کے سلسلہ کی ہدایت ہے، دیگر تاریخوں میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ نہیں لکھا ہے، ... کی کتاب کی جلد دوم میں جہاں حضرت سلطان المشائخ کا تذکرہ ہے وہاں سلطان کے قتل کی تاریخ ۵ ربیع الاول لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (ص ۲۶۱ جلد ۲) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تر اور قابل اعتماد ماخذ میر خسرو کی مثنوی تغلق نامہ ہے۔ جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف امیر خسرو کی مستند اور مشہور مثنوی ہے۔ اس میں انھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۷۲۰ھ کی ایک شب جمعرات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:-

چو تاریخ عرب شد ہفتصد و بیست ز بخت قطب شد گم جانب زیست
جمادی دومیں را شد پدیدار ہلال تیرہ و تاریک دیدار
سہ پاس گذشتہ از ماہ سلخ بخون گریہ خورد آچش ازاں سلخ
شد آں مہر برج کیاں مبارک گہر بر طالع سلطاں مبارک

(تغلق نامہ مطبوعہ حیدرآباد)

ان اشعار سے تاریخ کا کامل تعین ہو گیا اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی بھی تصدیق ہو گئی۔ ۱۲

سردار شیخؒ کے یہاں نہ جارہے، دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھیں یہ جو پیسے یہاں جا رہے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے فرمایا۔ کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے، ایک ثقہ بیت السلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے، انہوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا کہا میں غلطی پر تھا، آپ کا معاملہ عالم غیب سے ہے۔[1]

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے نامبارک سلطنت کی اور شعائر اسلام کو سرنگوں کرکے اسلام کی تذلیل کی۔ سنہ ۷۲۰ھ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کرکے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحب علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سماع سنتے تھے اسکی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہوگیا تھا۔ ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایۂ عاطفت میں پلا تھا اور باوجود مجاہدوں کے نفس و شیطان اور عشق کی دولت سے فیضیاب نہیں ہو سکا تھا نیز قاضی جلال الدین الولوالجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل وجد سے ایک طرح کی کد تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین غنا مزامیر اور دف سماع سنتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مذہب میں حرام ہے تو ان کی وجہ سے ہزارہا مخلوق اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے۔ سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا اسکو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جن کے معتقد عالم ہیں

---

[1] خیر المجالس ماخوذ از روح سماع ص ۲۲۲ [2] سماع کی حقیقت، عرض ہو دو مساوات کے آداب و احکام لکھنؤ چوبیسواں باب انداز کیفیت میں ملاحظہ ہو ۱۲۔

ہمیشہ نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔ لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں۔ بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علماء نے دینی سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اس لئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خورد کی زبان سے اس کی تفصیل سنئے:۔

"حضرت شاہ میں حضرت خواجہؒ کی طلبی ہوئی۔ حضرت خواجہؒ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادی کی صحبت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذۂ وقت تھے محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہؒ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا۔ یہاں تک کہا کہ اگر آئندہ آپ نے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سنکر حضرت خواجہؒ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ:۔ جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے چنانچہ ٹھیک بارہ دن بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ علاوہ بریں اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء اکابر صدور و امراء اور ارکان سلطنت حاضر تھے بادشاہ اور سب حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے، لوگ رقص کرتے ہیں، آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہؒ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: بحث مت کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں پہلے یہ بتاؤ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جب

تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے اور نہ کہنا چاہیے شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا۔ بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا تھا، جب کوئی دوسرے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ —

حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے مشائخ اور درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے — اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے نواسے مولانا علم الدین آ گئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ بھی عالم ہیں اور سیاح بھی، اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع مطلقاً حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کے لئے حلال ہے اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں، وہاں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں اور وہاں کوئی منع کرتا ہے؟ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دف و شبانہ کے ساتھ بھی! کوئی مانع نہیں ہوتا اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنیدؒ و شبلیؒ کے وقت سے مروج چلا آ رہا ہے، بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ

سماع کی حرمت کا فرمان صادر کریں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہؒ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں۔ بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔ مولانا فخرالدین (جو مجلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی، اہل مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث آکر ختم ہوگئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہؒ سماع سن سکتے ہیں اور کسی کو ان کے منع کرنے کی اجازت نہیں لیکن یہ روایت مرجوح ہے ــــ انہیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے فرمان سلطانی ہوگیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر یہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتا اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔[1]

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب "حسرت نامہ" میں لکھتے ہیں کہ: جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو آپ نے نماز ظہر کے وقت قاضی محی الدین کاشانی

---

[1] سیر الاولیاء از اختصار ص۵۲۴ تا ص۵۲۵

اور امیر خسرو کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا کہ دہلی کے علماء عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے انہوں نے وسیع میدان پایا، اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں، عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہ کا سننا ان کو گوارا نہیں، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث نبویہ پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کوئی حدیث صحیح پڑھتا تو وہ معترض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں یہ وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں ہم نہیں سنیں گے، معلوم نہیں کہ یہ اعتقاد میں یا نہیں اور اولو الامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے اور احادیث صحیح کو رد کرتے تھے آج کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ اس کے سامنے احادیث صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ یہ کہیں نہیں سنتا، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا تعصب ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا ان کا حدیث نبوی پر اعتقاد کیسے رہیگا۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلا و جلا اور قحط و وبا نہ برسے[1]

دہلی کی تباہی اس واقعہ کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر دولت آباد منتقل ہو جانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اور دلی ایسا اُجڑا کہ آباد شہر جس میں پہلے بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی شخص کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے:۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۲۲۸، ۲۲۹

احدے از مردم دہلی را کہ آب بستے
ازیں جا نگرفتہ بودند بجان خود
نگذاشتہ جبراً بدولت آباد فرستاد
دہلی چنیں ویران گشت کہ آواز
ہیچ متنفس بجز شغالان و دد و دام جانوران
صحرائی بگوش نمی رسید[1]

کارپردازان حکومت نے کسی ایک شخص کو
بھی جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا ابھی
تک نہیں چھوڑا سب کو کلیۃً دولت آباد
روانہ کر دیا۔ شہر دہلی اس طرح ویران
ہوئی کہ کسی ذی نفس جاندار کی آواز بجز گیدڑ
اور دوسرے جنگلی جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی انہی کی بدولت دولت آباد جلاوطن ہوئے۔ دولت آباد پہنچے تو راستہ میں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا ہزاروں راستہ میں لقمۂ اجل بن گئے جو بدقسمت وہاں پہنچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے اور حضرت خواجہ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

نظام الاوقات

امیر خورد نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے:- "روزہ افطار کرنے کے بعد جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا، بیٹھنے بالاخانہ کے تکیہ گاہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ احباب خدام جو شہر و اطراف سے آئے ہوتے تھے مغرب عشاء کے درمیان وہیں بلائے جاتے تھے۔ ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔ ہر قسم کے تر و خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں حاضرین مجلس تناول کرتے۔ آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت احوال دریافت فرماتے۔"[2]

امیر خسرو کی خصوصیت

عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لیجاتے کچھ دیر مشغول

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول، ص ۱۳۴

[2] سیر الاولیاء ص ۱۲۵

رہتے پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لیجاتے، اس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی[1] وہ سامنے بیٹھکر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے، آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اپنی بات سنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ ساری داستان سنا دیتے[2] اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے۔ ؎

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کف پایت نہد بخواب شود

شب کی تیاری

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوجاتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کیلئے رکھکر باہر چلے جاتے، اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور دروازہ کی زنجیر لگا لیتے، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق و شوق کی

---

[1] امیر خسرو کو حضرت خواجہؒ سے جو والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے اور ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے جیسا بلبل کو گل سے اور پروانہ کو شمع سے سچا تعلق ہوتا ہے، اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا، حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا، فرماتے تھے کہ "من از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہو جاتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی، مزید براں ایک بار فرمایا: "در عہد کس تنگ آیم حتی کہ از خود تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" بعض اوقات اپنے سے بھی اکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اکتاتا (سیر الاولیاء وغیرہ) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار اس نظر سے مجھ پر ڈال دیجئے، میں نے اس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ دوست ۱۲ م

[2] ہر شبے گوئی مرا گفتی فسانہ تا بخسپم
من از شوق تو عمری [illegible] داستانے

اٹھی ہوتیں حضرت خواجہؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔ ؎

تنہا منم و شب و چراغی　　مونس شدہ تا بگاہ دودم
کاہش ز آہ سرد گشتم　　گاہ از تف سینہ بر فروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبان مبارک سے سنا گیا ہے اور حکایت حال ہے۔ ؎

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا
کز من نمکے ستانند و از وے دودے

سحری

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے باقی کیلئے ارشاد ہوتا کہ غریبوں کے لئے حفاظت سے رکھو۔ خواجہ عبد الرحیم جن کے ذمہ سحری کا لے جانا تھا بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے میں عرض کرتا کہ حضرت افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری میں بھی کچھ نہ کھائیں گے تو ضعف بہت بڑھ جائیگا اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور مسکین مسجد کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں اور فاقہ سے رات گذار دیتے ہیں یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری جیسی جاتی ویسی ہی واپس اٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت

جب دن ہوتا لوگوں کی جمال مبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سرخ ہیں۔ ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر نہ آتا اور آپ کی کسی حیثیت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا۔ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں یا اتنی تسبیح کا معمول ہے۔ عمر عزیز ان باطنی خوبیوں میں گذری جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور وہ تجلی اور قلوب کے تعہد و عبادت میں مشغول رہتے جس سے افضل کوئی کام نہیں ہے۔ ع

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

دن میں دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے معمول پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول، متوجہ الی اللہ تعالیٰ کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْہِ اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ اسے دیکھ رہے ہیں بیٹھ کر گذارتے تھے۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے علماء، مشائخ، اصحاب دول، اکابر، وضیع و شریف ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اسی میں اس سے گفتگو کرتے اور اس کی دلجوئی فرماتے تھے ظاہر طور پر ان میں مشغول ہوتے تھے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بحق ہوتے تھے[1]

دلداری و تربیت نمازِ ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدم بوسی کے لیے آئے ہوئے ہوتے ان کو طلب فرمایا جاتا اور ان سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گذرتا۔ عبادات و سلوک و محبت الٰہی کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جاتی۔ اکابر علماء و صلحاء کی جو اس مجلس میں حاضر ہوتے ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرۂ مبارک کو دیکھتے۔ ایسا رعب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قربِ سفر عمرِ مبارک جب اسی ٨٠ سے متجاوز ہوئی تو سفرِ آخرت کے آثار نمایاں ہوئے ایک روز ارشاد فرمایا کہ رات میں نے خواب میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، ارشاد ہوا ہے۔ نظام ہم کو تمہارا بڑا اشتیاق ہے[2]۔

خلفائے کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبت و التفات

بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی اور اجازت نامے لکھ کر دیے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۲ و ص ۱۲۱

[2] الفتح ص ۱۲۱

ان کا مضمون مرتب کیا اور سید حسین کرمانی نے ان کی کتابت کی۔ آپ نے ان پر اپنے دستخط مبارک ثبت کیے۔ دستخط کے الفاظ یہ تھے: "من الضعیف محمد بن احمد بن علی البداؤنی البخاری"۔ ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ درج ہے گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۰ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔[1]

جن حضرات کے لیے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے بھجوا دیئے گئے۔ جو حضرات موجود تھے ان کو بلا کر خود عطا کیے گئے۔ جیسے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ دوستوں نے مبارکباد دی۔ اسی دوران جب شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کو یاد فرمایا گیا ان کو بھی خرقہ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیرالدین محمود ابھی نکلے ہی تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی۔ وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیرالدین محمود کو خلافت کی مبارکباد دو اور پھر شیخ نصیرالدین کو ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارکباد دو۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے کا حکم ہوا پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔[2]

وفات کا حال

وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خورد نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے، ان کا بیان یہ ہے:

"جمعہ کا دن تھا۔ سلطان المشائخ پر یہ کیفیت تھی کہ نور تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہوتا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالت تحیر میں مکان تشریف لائے، گریہ میں ترقی ہو گئی۔

---

[1] حضرت خواجہ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی

[2] سیر الاولیاء ص ۲۳۱، ص ۲۲۱، ص ۲۴۶، و ص ۲۴۸، و ص ۲۴۹

مدد نامہ کئی کئی بار غیبوبت و استغراق ہو جاتا تھا پھر توجہ ہو جاتی تھی یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اسی کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب ملتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھتا ہوں ہر نماز کو کرر ادا کرتے جتنے دن اس عالم میں رہے یہی دو باتیں کرر فرماتے۔ آج جمعہ کا دن ہے؟ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ شعر پڑھتے۔

شعر "ما رویم و می رویم و می رویم"

اسی اثناء میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو سامان گھر میں ہو اقبال خادم سے کہو کہ کوئی چیز بھی گھر میں جنس کی نہ بچے اگر بچی پائی گئی تو کل روز قیامت اسکو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ اقبال خادم نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے سب آپ پر صدقہ کر دیا علاوہ باقی اس جو خرچ سے بچا ہوا تھا سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا میرے چچا سید حسین نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا سب چیزیں محتاجوں کو پہنچ گئیں۔ سلطان المشائخ نے اقبال کو بلا کر طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردہ ریگ کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف لٹا دو اور جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور سارے غلہ کو لوٹ لیا۔

بیماری ہی میں کچھ احباب و مخلصان حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ آنمخدوم کے بعد ہم شکستوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ یہاں اتنا ملے گا کہ جس سے تمہارا گذر ہو جائے۔ یہ بھی بعض معتبر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے بعد یہاں کون صاحب نصیب تر ہوگا؟ فرمایا جس کی قسمت یاوری کرے گی بعض یاروں اور خادموں نے میرے نانا شمس الدین دامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے

لہ غالباً جانشینی و خلافت کے متعلق سوال تھا ۱۲

اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطے میں بلند بلند عمارتیں بنا لی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اُس کی عمارت میں آرام فرمائیں۔ اگر حکم ہو اگر یہ وقت آ گیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تا کہ کوئی خود رائی سے کلام نہ کرے۔ مولانا شمس الملک نے یہ پیغام بھیجا تو ارشاد ہوا کہ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا[1]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ باہر میدان میں دفن کیا گیا۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرما دی تھی۔ کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی۔ گریہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کے لئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ؎

گر زمیں گریہ ندارم بدانی فرق کرد
کاب چشم ہست اینکہ چشمہ ہی در آب

اسی درمیان میں ایام مبارک ایک روز مچھلی کا شوربا لائے۔ مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمالیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ تھوڑا سا مچھلی کا شوربا ہے۔ فرمایا۔ بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو۔ آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں کہ آں مخدوم نے کھا ا . . . . . بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا۔ سید جو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اس کو دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے گا۔ الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت حقیقت و معرفت رشد و ہدایت ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا

---

[1] یعنی مدفون ہوں۔ ۱۲

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی تھی ان کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ :-

> ”مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے سو سال تک ملتان میں اسلئے رکھا گیا کہ مجھے اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔“[1]

ساری عمر تجرد میں گذری اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا اور ابھی تک جاری ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۴۱، ۱۳۱ و ص ۱۵۵)

۳

باب سوم

اخلاق و صفات

جامع اوصاف حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح اور وسیع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت ان کے صاحب نظر شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا۔

حق تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است — اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا
و ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد ازو — کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ
خلافت مشائخ نیکو آید[1] — مشائخ کی خلافت کا فرض بخوبی انجام دے سکتا ہے

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے۔ یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت و معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام اردو اصطلاح میں "تصوف" پڑ گیا ہے یعنی اخلاص، اخلاق کی تکمیل، بہترین نمونہ ان کی زندگی میں نظر آتی

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۲۴۳)

اخلاص

ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے ان کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبول عام اور بقائے دوام عطا کیا ہے اور ان کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور دولت تھی جس میں محبت و رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی، محبت و یقین کے شعلے نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیا تھا، حب دنیا، حب جاہ اور اس طرح کی تمام مخفی شہوتوں اور حظوں کا استیصال کلی ہو چکا تھا ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ۔ اے طبیب جملہ علت ہائے ما!
اے دوائے نخوت و ناموس ما! ۔ اے تو افلاطون و جالینوس ما!
عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ۔ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ۔ شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

امیر حسن علا سجزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی میں رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا، آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے، اس پر یہ ذکر آگیا کہ گزشتہ زمانے میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہوگی اور شیخ الاسلامی کے عہدہ کی جگہ جو اس زمانہ میں خالی تھا، ان کا تقرر ہو جائے گا، یہ سنکر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا: ؎

سجدہ اول شیخ الاسلامی کا وہیں خیال نماز را ۔ آگ لگا دو ایسی شیخ الاسلامی کو بمع نماز کو

---

[1] مولانا روم ؒ

و بعد ازاں خود را ۔[1]   پھر اپنے کو خاک کر کے رکھ دو

حضرت خواجہؒ کی ساری زندگی ہی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے اور جس چیز نے ان کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انھیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ[2] سے (جو بارہویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدیٰ تھے) یہ دو شعر منقول ہیں جو اس کیفیت حال اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں

ما را ز مرید ورد خواں نمی باید   نے زاہد نے حافظ قرآں می باید
صاحب دردے سوختہ جانی باید   آتش زدہ بہ خانماں می باید

اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی آپ نے تہذیب، اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام لیا تھا، اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ حب جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا نصیر الدین نے سوال کیا کہ مشائخؒ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا ۔

کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت نباشد[3]   وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر نہ ہو

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت مل چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ کسی کمبل تہہ کر کے بچھا کر اس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امراء و عوام خواص ان کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ اس سے آزردہ ہوئے کہ جب آئے تو آپ نے

---

[1] فوائد الفواد (ص ۱۲)

[2] حضرت شاہ محمد ضیا (محمدی قطب) لکھنوی (م ۱۱۶۴ھ)

[3] سیر الاولیاء (ص ۲۴۳)

ان سے منہ پھیر لیا احسان کرا اعانت سے محروم کر دیا۔ عرصہ تک ان سے یہی بے رخی رہی جب تک کہ ان کا عذر ظاہر نہیں ہوا اور انھوں نے معافی نہیں مانگی، ان پر نظرِ عنایت مبذول نہیں ہوئی۔[1]

دشمن نوازی

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، وہ نہ صرف آشنا بیگانہ دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسان شناس اور دشمن کے حق میں دعاگو بن جاتا ہے گویا دشمنی کوئی احسان ہے کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاء سجزی راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔ ؎

"ہر کہ ما را رنجہ دارد راحتش بسیار باد"

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے)

اسکے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎[2]

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ اندرپت میں جو موضع غیاث پور کے قریب ہے، چھجو نام ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی، برا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف و ایذا پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا، اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخؒ نے اسکے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اس کی بالین پر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے

---

[1] سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ ۱۲
[2] فوائد الفواد ص [illegible] (ترجمہ: جو ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے اللہ کرے اسکے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے۔ ۱۲

جو کچھ کہا ہو یا برا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔[1]

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر برا بھلا کہتے ہیں ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے تو دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائیگا۔ فرمایا کہ آخر لوگ برا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ مال صوفی سبیل است و خون او مباح (صوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہو تو کسی برا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے؟[2]

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے لیکن مردان خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا۔

کسے خارے نہد و تو ہم خارے نہی ایں خار خار	اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھو تو
باشد ...... میان مردمان ہمچنین	ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہو جائینگے لوگوں کے
است بانغزاں نغزی و با کژاں کژی	درمیان عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ
اما میان درویشان ہمچنین است کہ	سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھا لیکن
بانغزاں نغزی و با کژاں ہم نغزی[3]	درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ
	سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ برا کہنا تو بڑی چیز ہے وہ برا جاننے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔

---

[1] سیر العارفین (قلمی) [2] فوائد الفواد ص۹۵ [3] ایضاً ص۸۵

بد گفتن زشت است امّا بیجا گفتن   بُرا کہنا بھی بُرا ہے لیکن بیجا بُرا
ازاں بتر است۔[1]   اس سے کہیں بُرا ہے ۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا تو اپنے شیخ کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا دامن لبریز تھا ۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پوتے خواجہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فقیر و پریشان آدمی تھے۔ ایک دن قلم دوات لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں شخص کو ایک خط لکھ دیجئے تاکہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ میری اس شخص سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی ہے نہ وہ کبھی یہاں آیا ہے، جس شخص سے جان پہچان نہ ہو اسکو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادے کو غصہ آگیا اور انھوں نے سخت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی گھر سے ملا ہے اور ہمارے ہی نانا دادا کا صدقہ پایا ہے، اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو جیسے ایک رقعہ بھی نہیں لکھ سکتے، تم نے کیا پیری مریدی کا جال پھیلایا ہے اور خلق خدا کو دھوکے دیتے ہو، یہ کہا اور قلم دوات زمین پر پٹک دی اور اٹھ کر چلے، حضرت نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کہاں جاتے ہو، خوش ہو کر جاؤ، ساتھ ہی ایک رقم سامنے رکھی اور راضی کرکے رخصت کیا۔[2]

پردہ پوشی و دلنوازی

سیر الاولیاء میں ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی تحفہ یا نذرانہ اپنے ساتھ لاتے نذر پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آرہے تھے، ایک درویش صاحب بھی ساتھ تھے انھوں نے سوچا کہ لوگ تحائف پیش کریں گے اور وہ سب حضرت کے سامنے رکھیں گے اور میں سب کو دکھا کر کیا پیش کروں گا، کیا پتہ چلے گا کہ کون لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی، جب سلطان المشائخ کی خدمت

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۸۵

[2] سیر العارفین (قلمی)

تھا حاضر ہوئے، ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی، مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی، خادم یہ سب چیزیں اٹھا کر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا، حضرتؒ نے فرمایا اس کو یہیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔ یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہوگئے۔

شفقت و تعلق

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو عام انسانوں اور خصوصیت سے تمام مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ دی، اس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی، شیوخ کاملین کی یہ شفقت درحقیقت نبیؐ کی اس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ — اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہارا
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ — ہی ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ — گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کا بہت خواہشمند
(التوبہ ع ۱۶) — ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اس حکم کی تعمیل ہے جس کا خطاب رسولؐ سے ہے:—

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ — ان لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء ع ۱۱) — مسلمانوں میں سے تابع ہوکر تمہارے ساتھ چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے دو انتہاؤ پیدا کر دیا تھا، دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی تکلیف نصیب اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سجزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں [illegible] سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا۔

لہ سیر الاولیاء ص۱۳۲

بھائی ذرا اِدھر ہو کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے دھوپ میں بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔[1]

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ جب کوئی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔[2]

امیر حسن علاء سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شیخ کی حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرت کی زیارت کے بغیر واپس چلا جاؤں۔ میں آج قاعدے کے خلاف ہی کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اچھا کیا"۔ پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

در کوئے خرابات رہے نیست اوباش
مستے بخرد عیب و خشتیں و مباش

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی ان کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں ہے جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔[3]

غمخواری عام

اہل قلوب عموماً دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق درحقیقت انہیں کو ہے کہ۔ ؏

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے نواسے خواجہ شرف الدینؒ کسی مجلس میں یکجا حاضر تھے کہ خواجہ نظام الدینؒ

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۱ [2] سیر الاولیاء ص ۱۴۲ [3] فوائد الفواد ص ۹۵

عجیب نادر فارغ البالی بزرگ تھے، مگر وہ بھی اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہ تھا ان کو یا فراغ خاطر حاصل تھی کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اس مجلس میں بیٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہونے چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں، حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا:۔

"میاں شرف الدین وہ رنج و غم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے جس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے۔ اسکے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے:۔
"المخلصون علی خطر عظیم" مخلصین کو بڑا خطرہ در پیش رہتا ہی اس سے بھی کچھ سمجھ سکتے ہو گے۔ ع

نزدیکاں را بیش بود حیرانی[1]

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا:۔

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا مقام ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ ؎

می کوش کہ راحتے بجانے برسد   یا دستِ شکستہ بنانے برسد

کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے یا جو دست شکستہ ہو اسکو تمہارے ذریعہ روٹی ملے

---

[1] سیر العارفین (قلمی)

ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا
جتنا دلوں کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔"[۱]

چھوٹوں پر شفقت

حضرت خواجہؒ اپنے تعمق، مشاغل اور اعلیٰ کیفیات باطنی کے ساتھ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے، اور وہ اپنی شدید مصروفیات کے باوجود ان کی دلجوئی و ملاطفت کے لئے وقت نکال لیتے تھے، ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے، اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے لیکن آپ ان صاحبزادے کا انتظار کرتے۔ آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی تربیت و دلداری فرماتے۔[۲]

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور تیراکی و کشتی کا بڑا شوق تھا، حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے ان فنوں کی باتیں کرتے تھے، ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے، ان فنوں کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے، تاکہ یہ خوش ہوں۔[۳]

جو شریف النسب اور ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تجمل پیدا ہوتا جس کو بعض سخت گیر فقہاء سنت و متانت کے خلاف سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں، حضرت خواجہ ان کی بھی دلجوئی فرماتے، اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظر انداز فرماتے اور اپنے اخلاق و صحبت سے ان کی اصلاح و تربیت کی کوشش فرماتے۔

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۲۸ [۲] ایضاً ص ۲۰۳ [۳] ایضاً ص ۲۱۱

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے، حضرت خواجہؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا

سید بیار نشیں و صلوات بخیز | سیدا تو بیا و در سعادت می تو بوہ[1]

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاطفت اور اس طرح کی دلنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی اور کتنے "آہوئے وحشی" اسیر دام محبت ہوئے ہوں گے اور ان کا شمار خدا کے مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالی کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انہوں نے "تلاش حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے گہرے مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے۔

> "مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے"[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷ [2] المنقذ من الضلال

باب چہارم

اذواق و کیفیات

محبت و ذوق حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جہاں تک ان کے تمام اخلاق و احوال و اعمال کا محور ہے وہ عشق الٰہی کی تپش سوزاں ہے جو ان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی۔ محبت کی یہ چنگاری جو ازل سے ان کی فطرت میں ودیعت تھی شیخ کبیر کی صحبت اور طریقہ چشتیہ کی نسبت سے شعلۂ جوالہ بن گئی تھی اور اسنے وقت آخر تک یعنی نصف صدی سے زائد رہی اور اسکے شعلوں کو گرم اور منور رکھا اور اسی کی بدولت صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشق الٰہی کی حرارت سے گرم اور گداز رہی ان کے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس و اشعار اور ان کے انتخاب واقعات اور ان کی تمثیل غرض ہر چیز سے اسی سوز باطن اور اسی حرارت عشق کا اظہار ہوتا ہے ؎

شعلہ آخر زد بر موم سپید
از رگ اندیشہ ام آتش چکید

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے عزم و ہمت کے واقعات بیان ہو رہے تھے حضرت نے فرمایا میں سے ایک شیخ ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام

ان کی زبان پر جاری تھا، حضرت خواجہؒ آبدیدہ ہو گئے اور یہ رباعی پڑھی۔ ے

آیم بسر کوئے تو پویان پویان　　رخسارہ بآب دیدہ شویان شویان
بیچارہ ز وصل تو جویان جویان　　جان می دہم و نام تو گویان گویان[1]

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آ رہا ہوں خراماں خراماں، آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں آپ کے وصل کا جویا اور طالب بن کر جان دے رہا ہوں آپ کا نام ہی لیتا ہوا۔

اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی کسی دوسری طرف توجہ بھی ناگوار تھی

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

امیر حسن علاء سجزیؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کہاں پڑ گیا، اس پر حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیرؒ کا واقعہ بیان کیا، وہ کمال حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھتے تھے اور ان کے مطالعہ کرنے میں لگا دیا تھا ان کو سامنے رکھ کر ایک ایک مطالعہ کرنے لگے، غیبی آواز آئی اے ابو سعید ہمارا عہد نامہ واپس کر دے اب تو دوسری چیزوں میں مشغول ہو گیا، خواجہ جب اس مقام پر پہنچے تو رو دیئے اور یہ شعر پڑھا۔ ے

تو سایۂ دشمنے کجا در گنجی　　جائے کہ خیال دوست زحمت باشد[2]

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے جہاں دوست کا خیال بھی حجاب ہے)

یہی شوق و عشق کا نتیجہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خورد معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے رات کی بیداری سے آنکھیں سرخ ہوتیں، اور چہرہ

---

[1] فوائد الفواد ص [illegible]

[2] فوائد الفواد ص [illegible]

نے یہی دیکھ کر کہا ہے۔ ؎

تو شبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد[1]

اور اسی حرارتِ عشق اور سرمستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں دائما بیدار رہتے، تقلیلِ غذا، طولِ شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف کا آثار تک ظاہر نہ ہوتی تھی، اسی سال سے عمر متجاوز ہونے کے باوجود چہرے پر وہی سرخی اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں ہوگی بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا[2]

سماع

[3] محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا یعنی عشقِ الٰہی کے اشعار اور عارفانہ ابیات کا سننا جس سے قلب کی آگ اور بھڑکتی اور آتشِ دل کے چھینٹوں سے اس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملتے اور اسی کے ساتھ مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۸ [2] سیر الاولیاء

[3] مسئلہ سماع (بلا مزامیر) کی موافقت و مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس میں نقطۂ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت یا باعثِ اجر مقصود، اعتدال اور شرائط کے ساتھ ایک تدبیر علاج ہے، اور وہ اصحابِ حرارت و طبیعت کے لئے بقدرِ ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید۔ اس سلسلہ میں مشہور چشتی شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے، ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ:

> میں بیچارہ حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور سماع کو کتب علماء کی صراحت کی بنا پر جائز سمجھتا ہوں کہ اس بیچارے کا مرض یہ ہے اور علاج اسی کی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شراب کو علاج کی خاطر ایسے وقت میں اجازت دی ہے جبکہ اس مرض کے لئے کوئی دوا نہ ہو اور حکیم کہے کہ اس مرض میں اتفاق ہے کہ صحت شراب کے پینے ہی میں ہے تو اس تقریر پر کہ مرض کی دوا یہی سماع ہے اور اس کا سننا ہے، لہٰذا اس کا سننا ہمارے لئے حلال ہے اور تم پر حرام ہے

نفس کی چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا ان سے زندگی حاصل کرسکے مولانا رومؒ جو ایک بڑے صاحب سماع تھے اسی لئے فرماتے ہیں ؎

پس غذائے عاشقاں آمد سماع   کہ درو باشد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیالات ضمیر   بلکہ صورت گردد از بانگ صفیر
آتش عشق از نواہا گشت تیز   آں چناں کہ آتش آں جوز ریز

خود حضرت خواجہؒ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے ؎

سماع حق زہاد و معتقدان و اصحاب	سماع مریدوں سالکوں اور اہل عقیدت اور
ریاضت است چو النفس تمل و تکل	اصحاب ریاضت کا کام ہے۔ جب طبیعت تھکی
شنود اما حق المیت	چونکہ طبیعت انسانی کاہلی کی وجہ سے اکتا جاتی ہے تو
"ان لنفسک علیک حقا"	تو اسے وصول کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ان
یعنی چو مستی کہ بسے النفس بر تو حق است	لنفسک علیک حقا۔ یعنی تمہارے جسم
چوں بلغا از سماع جاہا باید بلند اولیا	کا تم پر حق ہے۔ جب اہل ہمت نفس پا کے
بر کارے جز بر بندہ	ذریعے آرام حاصل کر لیتا ہے تو پھر سے کام میں لگ جاتے ہیں

ایک بزرگ مولانا کاشانی فرماتے ہیں:۔

اصحاب ریاضت ارباب مجاہدہ کہ از ترتیب	اصحاب ریاضت ارباب مجاہدہ کے قلوب
معاملات گاہ گاہ از اتفاق کثرت کلفت	نفوس احوال و کیفیات کی کثرت سے
ملولتے در قلوب و نفوس حادث شود و قبض	اکتا جانے کی وجہ سے کبھی کبھی ان کی طبیعت مائل ہو کر

له سیر الاولیاء ص ۱۹۰

بسیطے از حجب تفرقہ اعمال و قصور احوال برد	ملال یا ضعف محسوس ہونے لگتا ہے اور
ملالے گردد بسبب آن مشائخ متاخرین برائے دفع	اس کی وجہ سے قبض بسط جو کمال احوال میں سستی
این عارضہ و دفع این حادثہ ترکیبے روحانی	اور کمی آ جاتی ہے تو یہ عارضہ طاری ہو جاتے ہیں
از سماع اصوات طیبہ و الحان متناسبہ	اس بنا پر مشائخ متاخرین نے اچھی آوازوں اور متناسب
مشتمل بر شعرہائے مہیج و مشوق ترتیب	نغموں اور شوق انگیز اشعار کے سننے کو اس
بود کردہ اند[1]	طرح کی بندش و عارضہ سے بچاؤ کے لئے ایک
	علاج روحانی کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ بھی کہ اس سے حضوری کی ایک کیفیت بندوں کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ لمحات تعبدی اوقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں اور ان کی بابت یہ ارشاد ہوا کہ

مردم را چوں در حضور کمال میسر شود اگر وقتے	فرمایا آدمی کو جب دوران حضوری کمال میسر
وقتے خوش در یابد تمام اوقات مستغرق آن	آتا ہے اگر کسی آن کوئی وقت اچھا ہاتھ
آن روز رفتہ باشد آن وقت باشد و اگر در مجلسے	آ جاتا ہے تو اس دن کے تمام مستغرق اوقات اس
صاحب نعمتے باشد جملہ اشخاص در پناہ	وقت کی پناہ میں آ جاتے ہیں اور اگر کسی مجلس میں
آن شخص باشند[2]	ایک صاحب نعمت اور صاحب لذت ہو تو
	تمام حاضرین اس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع حضرت خواجہ اور ان مشائخ کی جو اس کیفیت کے حامل اور داعی محبت سے

---

[1] مصباح الہدایہ ص۱۸۱ و ص۱۸۲ [2] سیر الاولیاء ص۵۲۲

سے جل رہے ہوں، طبعی کیفیت کو تغیر و تسکین کا سامان، ذوق و شوق اور رقت و حضوری کا ذریعہ تھا جسکو وہ حضرات عاماً اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج اور ضرورت کے بقدر رکھا، ان سے کام لیتے تھے نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک، نہ شب و روز کا مشغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلاف شرع منکرات، بدعات اور اسباب لہو و لعب سے جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں پیدا ہوئے یا عوام کا صوفیوں نے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو ان سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے ہیں:-

آپ نے فرمایا:-

"سماع کی چار قسمیں ہیں:- حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحب وجد کا میلان محبوب حقیقی کی طرف زیادہ ہو تو سماع مباح ہے، اور اگر محبوب مجازی کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے۔ اگر محبوب مجازی کی طرف میلان کلی ہے تو حرام ہے، اور اگر محبوب حقیقی کی طرف میلان کلی ہو تو حلال ہے۔ پس جس کو سماع کا ذوق ہو اس کو چاہئے کہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو"

نیز ارشاد فرمایا کہ:-

"سماع مباح کے لئے چند چیزیں چاہئیں:- مُسمع (سنانے والا)، مستمع (سننے والا)، مسموع (جو کچھ پڑھا جا رہا ہے) اور آلہ سماع (ذریعہ)۔ مُسمع کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔ مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے یاد حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع کے لئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور مسخری مذاق کا کلام نہ ہو۔ آلہ سماع سے مراد مزامیر ہیں، جیسے چنگ رباب کہ یہ درمیان

میں نہ جاوے[1]

مزامیر سے نفرت و ممانعت

حضرت خواجہ مزامیر (آلات غنا اور باجے وغیرہ سے) سختی سے منع فرماتے تھے اور جب کبھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناخوش ہوتے اور اس بارے میں کوئی عذر قبول نہ فرماتے، سیر الاولیاء میں ہے:-

"مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض آستانہ دار درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا: اچھا نہیں کیا، جو خلاف شرع ہے وہ ناپسند ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے کیا کیا، اس مجلس میں تو مزامیر تھے، آپ نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا: یہ جواب بھی کچھ نہیں، یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جا سکتی ہے"[2]

حضرت خواجہ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ:-

"جب عورت کو نماز میں امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے دستک دینے کے وقت اس کی ممانعت ہے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی سی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ لہو ہے، جب لہو و لعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریق اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہئے"[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص۵۱۹ و ص۵۲۹ [2] ایضاً ص۵۰۹ و ص۵۳۰ [3] ایضاً ص۵۲۲

سماع میں آپ کی کیفیت

حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ذوق عطا فرمایا ہے اس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعر سن کر رقت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں، اس کے سامنے بڑے مغنی لے کتنا ہی پڑھیں اور کیسے ہی مزامیر کیوں نہ ہوں اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ اہل درد میں سے نہیں ہے، اس کا تعلق درد سے نہیں، مزامیر سے ہو[1] چنانچہ حضرت خواجہؒ کا حال یہ تھا کہ صوفیانہ اور عاشقانہ اشعار سنتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدام رومال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے، یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہے[2]

امیر خورد جو خود بھی اپنی کمسنی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور اپنے والد اور چچا سے ان پُرکیف مجلسوں اور ان ہیجان انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو ان میں پڑھے گئے، کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی، یکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی شعر پڑھ دیتا اور مجلس پُرکیف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیر بیگ نے ایک مجلس سماع منعقد کی، مشائخ و علماء و شعراء کا مجمع تھا، سماع شروع ہوا، کہنے والے بہت کچھ سناتے رہے لیکن اثر نہیں ہوا، آخر حسن بہوی قوال نے یہ شعر پڑھا

در کلبۂ درویشی ہر محنت بیخویشی
گم دار مرا با من ہر گونہ کہن افسانہ

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اس کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا اور سب پُرکیف ہو گئے[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۰۳ [2] ایضاً ص ۵۰۲ [3] ایضاً ص ۵۰۲

ایک دوسری مجلس کا ذکر سیر الاولیاء میں ہے: یہ مجلس ہو رہی تھی، امیر خسرو کھڑے تھے اور سلطان المشائخ ناسازی طبع کی وجہ سے چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔ حسن بہاری نے سعدی کا یہ شعر پڑھا ؏

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمند

چنداں فتادہ اند کہ ما صید لاغریم

حضرت خواجہؒ پر گریہ طاری ہوا اور اس میں ڈوب گئے۔ خواجہ اقبال رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پونچھ کر حسن بہاری کی طرف ان کو بڑھاتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا۔ امیر حاجی فرزند امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار

کیں عشق تیغ بر سر مرداں بیخ است

حضرت خواجہ پر بھی وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا[1]

ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا ؎

رخ جلوہ نمود امر انگشت تو بینی

زیں ذوق مست بیخبرم کیں چہ بوئے

آپ نے گوشۂ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا اور کیفیت طاری ہو گئی۔[2]

عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آ جاتا تھا، دہلی کی مجلسوں اور شہر کی گلیوں میں کافی عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اس سے لطف لیتے تھے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے[3] سلطان علاؤالدین نے بھی اہل دربار اور حضرت خواجہؒ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ جس

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۰۶ [2] ایضاً ص ۵۱۶ ۔ [3] ایضاً ص ۵۰۶

شعر پر حضرت خواجہ کو ذوق تھا اس کو یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو سنایا جائے۔ اکثر جب بادشاہ نے خوب سنا جس پر حضرت خواجہ کو ذوق آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور مدت تک ذوق لیتا رہا۔

ذوقِ قرآن

قرآن مجید کا ذوق، اس کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کی کثرت مشائخ چشت کا خصوصی ذوق اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ سے لے کر حضرت خواجہ نظام الدینؒ تک سب کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شغف تھا اور ہر ایک نے اپنے خلفاء اور مریدین باختصاص کو حفظِ قرآن اور باشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے۔[1]

خلافت دیتے وقت شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کو حفظ قرآن کی وصیت کی تھی۔ حضرت خواجہؒ نے یہ وصیت پوری کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کام کو شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ اپنے مریدین اور اصحاب خاص کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علاء سجزی جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے، شعر و شاعری ساری عمر کا مشغلہ تھا، حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں فرماتے ہیں:۔

بعد از لفظ مبارک مخدوم شنیدم این کلمہ	اس بات کو مخدوم کی زبانِ مبارک سے میں نے
کہ قرآن خواندن بیشتر کنی تا غالب	یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہیے کہ قرآن کا پڑھنا
آید	شعر کہنے پر غالب آجائے۔

پھر ان کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوئی۔ انھوں نے ایک ثلث یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔

دیگر باندک اندک یاد گیر و باد	تھوڑا تھوڑا یاد کرو اور اگلا یاد کیا ہوا
گرفتہ پیشینہ مکرر می کن[3]	دہراتے رہو۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی (جلد اول ص ۲۰)

[2] فوائد الفواد ص ۲۲۴ [3] فوائد الفواد ص ۹۲

مولانا بدرالدین اسحاقؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد جو حضرت خواجہؒ کی کفالت و پرورش میں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجہ محمد امام بنے، جیسے حافظ اور خوش الحان تھے۔ ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے تھے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔[1] ان کے دوسرے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے۔ معمول تھا کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے اور سکوت سے سنتے تھے۔[2] اس کے بعد کھانا شروع ہوتا تھا۔ اپنے نواسوں (خواہرزادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔[3] خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے؟

شیخ سے تعلق

یوں تو جو شخص جس سے کوئی نسبت پاتا ہے اور اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسان مندی کا جذبہ ہے، اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اس کو اپنا محسن سمجھتا ہے لیکن حضرت خواجہ کو اپنے محسن سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا اور ان کے اختصاص و امتیاز اور روحانی ترقیات میں اس کو خاص دخل تھا۔ اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو ان کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی اور وہ انھیں کو اس کا مصداق سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔

؎ بخرام بدین صفت مبادا
کز چشم بدت رسد گزندی

فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف ان کا فضل و کمال اور ان کی لطافت زیبائی یاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ قوال نے چاہا کہ آگے پڑھے میں نے منع کیا اور یہی شعر پڑھوایا پڑھ کر

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۰۲ [2] سیر الاولیاء ص ۱۹۹

[3] سیر الاولیاء ص ۱۲۳

کرکے گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا اس کے بعد زیادہ دن بھی نہ گذرے کہ حضرت نے انتقال کیا۔[1]

جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی

ضعفِ پیری اور مشغلۂ مجاہدہ کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بیحد اہتمام تھا، صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں:-

> "عمر شریف اسی سے متجاوز ہوگئی تھی جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے بالاخانہ سے اتر جو بہت بلند تھا، جماعت خانہ میں آتے اور ان درویشوں اور صالحین کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ اس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے کم افطار کرتے۔"[2]

شریعت کی پابندی اور اتباعِ سُنّت کا اہتمام

حضرت خواجہ خود بھی اتباعِ سنت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے کہ بقول سعدیؒ

؎ محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات و آداب تک فوت نہ ہوں۔ سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے:-

استقامت می باید کرد با متابعت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
رسول علیہ السلام والصلوٰۃ باشد	و اتباع پیغمبری ثابت قدمی کی بانی
و ہیچ مستحبے و ادبے فوت نشود[3]	چاہئے اور کوئی مستحب و ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

---

[1] فوائد الفواد صـ۲۳

[2] سیر الاولیاء صـ۱۲۵

[3] سیر الاولیاء صـ۳۰۱

مشائخ کے لئے اور ہمیں کو پیری مریدی کرنا ہو شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شریعت نہ صادر ہو۔ نہ دوسرے کو کسی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں۔

"پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت	پیر ایسا چاہیئے کہ احکام شریعت و طریقت
و طریقت و حقیقت عالم باشد چوں	و حقیقت کا (رموز میں) علم رکھتا ہو اور جب ایسا
ایں چنیں باشد خود ہیچ نا مشروع	ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لئے
نہ فرماید"[1]	نہ کہے گا۔

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۹۴

باب پنجم

افادات و تحقیقات

علمی پایہ حضرت خواجہؒ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم بڑی لگن، محنت اور انہماک سے پڑھا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فقہا اور شیوخ ہیں۔ ادب اور علوم دینیات کی تعلیم آپ نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی۔ حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد ماریکلی سے لیا جو صاحب مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصغانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے پڑھ کر ان میں مزید جلا حاصل کی۔

علمی ادبی مناسبت اگرچہ آپ کی مناسبت فطری اور ترجیح نسبت باطنی کے اثر سے رموز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معاملات کے متعلق میں حقائق و احوال اور مسائل سے زیادہ دلچسپی تھی۔ لیکن مشغولیت باطنی کی بیخودی میں بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق تا آخر قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین اندرپتی نے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخؒ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پیش کیں۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمود جاراللہ

۱؎ سیر الاولیاء صفحہ [illegible]

زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں۔ پہلی کتاب تفسیر ہے اور دوسری نحو میں۔ اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ سید خاموش ابن سید محمد کرمانی مجلس خلوت میں "خمسۂ نظامی" حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔[۱] آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سدا بہار رنگین شاعر (جو اپنے طرز خاص کے لحاظ سے ہندوستان کے صف اول کے شعراء میں ہیں) کی شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتداء میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں برائے اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے کہا کہ صفاہانیوں کی طرز میں کہا کرو۔[۲]

حدیث، فقہ پر نظر

سلطان غیاث الدین تغلق کے سامنے جو مجلس مناظرہ ہوئی تھی اس میں حضرت خواجہؒ نے مسئلہ پر جو تقریر اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار و مشکوٰۃ سرمایۂ علمی اور حدیث کا منتہی سمجھی جاتی تھی۔[۳] بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقد حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہؒ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات (جو زبان زد خلائق ہیں) استعمال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۳۰۱ [۲] سیر الاولیاء ص ۳۰۲

[۳] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا باب حدیث ص ۲۰

حدیث کیسی ہے؟ بالمعنی حسبی اللہ وان کان کا عزا" فرمایا: کسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ مسلم (جلیل محدث) کی حدیث ہے فرمایا۔ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے۔[1]

اہمیت علم اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی ان کو سالکین اہل تعلق کیلئے ہدایت ارشاد و ترغیب کا کام آپ بہت ضروری سمجھتے تھے

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۰۲

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ صحیحین کے مرتبہ سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان کا علماء و مشائخ کو اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی (اگر مجلس ملفوظات کی روداد صحیح ہے) مجلس مناظرہ میں جب حدیثوں کو حلت سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے فریق مقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور عہدیداران قضاۃ میں سے تھے جس طریقہ سے گفتگو اور استدلال کیا ہے اس سے علم حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اسکے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہیے اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کی اشاعت نہ ہونے کی وجہ سے خانقاہوں میں بہت سی ایسی رسوم نے یہاں تک کہ بعض محققین کے ہاں بھی ایسے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا ذکر جا بجا آتا ہے۔ جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں اسکو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت محدثین اور ان مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں ان احادیث کی اشاعت کی اور صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔ شکر اللہ مساعیہم

بنگال کے ایک نوجوان، عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سر حلقہ ہیں لکھنوتی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے حضرت خواجہؒ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زرادیؒ سے فرمایا کہ ”یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو دہلی میں مستحکم ہو جاتا“ یہ بات سن کر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ ”اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھ کر ضروری مسائل یاد کرادوں“ فرمایا کہ ”یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے“ مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور تھوڑے عرصہ تحصیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی۔ حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے رہے پھر وطن واپس آگئے اور شرقی بنگال میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے [1]

بلند علوم و مضامین

علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت، اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بنا پر آپ کو ان بلند اور دقیق علوم اور حقائق و معارف کا حصۂ وافر عطا ہوا جو اولیاء کاملین اور کبار مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے اور جو صفائے باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا نتیجہ ہے اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی اور کوئی مشکل بحث آتا تو آپ اپنے نور باطن سے اس کا جواب شافی عطا فرماتے ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں ڈوب جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں۔ یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں۔ اسی بنا پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہل تصوف کے مخالف مشہور تھے حضرت خواجہؒ کے حلقہ بگوش ہو اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہو کے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں شامل ہو گئے۔

---

[1] سیر العارفین وغیرہ۔

علوم صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباع سنت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنا دیا تھا کہ اہل تصوف میں جو باتیں عرصہ دراز سے ظاہر شریعت کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت سے اہل تصوف کا شعار بن گئی تھیں، آپ اپنی سلامتی ذہن سے ان کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق ان کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا غلبہ ہو رہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوی اللہ سے انقطاع سے اور نبوت میں بضرورت تبلیغ اس وجہ سے مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے، پھر اس میں کئی مذہب پیدا ہوگئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے لیکن آپ اسکو تسلیم نہیں کرتے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ یہ مذہب باطل ہے اس سبب سے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔[2]

حلال مانع راہ خدا نہیں

تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف تعلق اور دنیا سے بے تعلقی کا نام ہے اور ہر اشتغال وصول الی اللہ سے مانع

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۱

[2] فوائد الفواد صفحہ ۱۱ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اتنا اور اضافہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے (یعنی اس وقت جب وہ حق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں) زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں، ان کی مشغولیت بخلق بھی چونکہ حکم الٰہی سے ہوتی ہے اس لئے وہ عین مشغولیت بحق اور امر الٰہی کا امتثال ہوا کرتی ہے ۱۲

اشغال و سلوک کا ذریعہ ہیں یہ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل عدم وجود سے بلند ہو کر مقصد اور مسبب الاسباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اس کا مقتضیٰ یہی تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعۂ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات جوامع الکلم میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا۔

ہیچ کسبے (چیزے) کہ حلال نیست مانع	کوئی چیز جو حلال ہے راہ خدا کی مانع
راہ خدائی نیست و قاطع سلوک نیست	اور قاطع سلوک نہیں ورنہ مشروع و
وگرنہ مشروع و حلال نبودی[1]	حلال نہ ہوتی۔

قلب متوجہ الی اللہ ہونے کے بعد کوئی چیز مضر نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا اگر خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس حاصل ہو جائے اس کے بعد جس کام میں رہنا ہو رہو تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔

ترکِ دنیا کی حقیقت

ترک دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ترک دنیا آن نیست کہ کسے خود را	ترک دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی
برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ ببندد و بنشیند	اپنے کو ننگا کرلے مثلاً لنگوٹ باندھ کر
ترک دنیا آن است کہ لباس بپوشد	بیٹھ جائے بلکہ حقیقی معنی میں ترک دنیا یہ
و طعام بخورد و آنچہ می رسد روا دارد	ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے اور
و بجمع او میل نکند و خاطر را متعلق	جو کچھ میسر آئے اس کو استعمال کرے

---

[1] جوامع الکلم صفحہ ۱۹۱ [2] یعنی مشروع وجوہ معاش اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔ [3] سیر الاولیاء صفحہ

ہر چیز کہ سد راہ تو ترک دنیا است[1]   لیکن اسکے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو
اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسنے نہیں دیتا ہو

طاعت لازم و متعدی

فرمایا۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعت لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے، جیسے نماز، روزہ، حج، اوراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرا دینا، شفقت، دوسروں کے ساتھ مہربانی وغیرہ اس کو طاعت متعدی کہتے ہیں اور اس کا ثواب بے حد و بے اندازہ ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے، اور طاعت متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔[2]

کشف و کرامات حجاب راہ

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ ان کی سُکر و مستی کا نتیجہ ہے۔ سُکر والے صاحب سُکر ہیں اسکے برخلاف انبیاء کا صحو ہے۔ سالک کیلئے کشف و کرامات حجاب راہ ہیں۔ مرتبے صحو کے میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔

علوم انبیاء و اولیاء

فرمایا۔ تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طور حس کہنا چاہئے، دوسرا طور عقل اور تیسرا طور قدس۔ طور حس میں معلومات دیکھنے چکھنے کی چیزیں یا مشمومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں۔ اسکے بعد طور عقل ہے اس کا تعلق ان علوم سے ہے جو کسبی اور بدیہی ہیں لیکن مرتبہ قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدیہی بھی علم قدس نہیں ہے، کسبی کا کیا ذکر، یہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ جس پر عالم قدس کا دروازہ کھلتا ہے اس کی علامت کیا ہوتی ہے؟ جو شخص

---

[1] فوائد الفواد ص [illegible] [2] ایضاً ج ۲ ص [illegible] [3] فوائد الفواد ج ۱ ص [illegible]

عالم عقل میں ہوتا ہے۔ وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے علماء میں سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی جنگ کا واقعہ بیان کیا کہ معترض نے تھے کہ قریب ہے کچھ علوم اسرار و حالات دل پر گذرتے ہیں انشاء اللہ ان کو قلم بند کروں گا۔ اسکے بعد بہت کچھ لکھا۔ پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبط تحریر میں نہیں آسکا۔[1]

دنیا کی محبت اور عداوت

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا: تین طرح کے لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اسی کی یاد اور ذکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں لگے رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور وہ اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے یہ پچھلی دونوں قسموں سے بہتر ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ۔ ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی مذمت کرنے لگا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اس سے کہا کہ۔ میرے پاس آپ اسکے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اسکا بہت ذکر کرتے ہیں۔[2]

مراتب تلاوت قرآن

ایک مرتبہ آپ نے تلاوت قرآن پاک کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اسکے معانی دل پر گذرتے رہیں۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرمایا کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہیے کہ میں اس کے

---

[1] فوائد الفواد ج ۱ صفحہ ۹۱ [2] ایضاً ج ۱ صفحہ ۹۱

لائق کہاں تھا اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے۔ اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پہنچنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اسکو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے۔[1]

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی، لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کیے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلفائے کبار اور اصحاب نامدار ہیں جو عمل صحیح اور علم صحیح کا نمونہ تھے اور جن کے دل کی راستی علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی "راسخین فی العلم" کے شایانِ شان تھی۔ امیر حسن علاء سنجری کی فوائد الفواد اور امیر خورد کی سیر الاولیاء[2] میں آپ کے بیش بہا اقوال و ملفوظات منقول ہیں جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔

---

[1] فوائد الفواد ص۱۱

[2] فوائد الفواد ص۳۸ و خیر المجالس ص۴۴

باب ششم

فیوض و برکات

تجدید ایمان و توبۂ عام

قبل اس کے کہ اُن فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور ان کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے عروج پر تھی اور غفلت، خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے۔ راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصہ اول میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:۔

" خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی فراوانی

معاشی تغیرات اتنے زیادہ ہوگئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی زندگی اور اسلامی پابندیوں کو شعور و احساس اور ارادہ کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، ان کے افسردہ و پژمردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو اور ان کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ اصلی فرض تھا اور جیسا کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں (بقول سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ وہ ہدایت کے لئے مبعوث ہوا تھا۔ جبایت (تحصیل محصول) کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے مزاج اور عمال حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف علماء اس قدر بدگمان و توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھیں کہ کسی نجی تنظیم اور دینی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش ہو، برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ اسکو وہ ابتدا ہی کچل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، دینی نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لئے اسکے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابق غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ تا بمقدور ان کی دینی نگرانی

وتربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفس گرم سے پھر وہ ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص و للہیت، جذبۂ اتباعِ سنت اور ذوقِ آخرت پیدا کرے، آپ کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتقاد کا مجھ پر ایک حق قائم ہو گیا ہے، پھر وہ بے تجربہ اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت، تقویٰ اور دین کی زندگی میں ایمان و احتساب، اخلاص اور ان کے اعمال و عبادات میں روح، کیفیت اور روحانیت پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت و تربیت کی جس کے ذریعہ دین کے مخلص خادموں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام انجام دیا اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان تک پہنچا دیا ہے۔[1]

بیعت ایک عہد و معاہدہ

یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کے لیے ان سے کیا عہد لیتے تھے کسی تذکرہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گزرے لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے بیعت لینے کا طریقہ اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیری کا جو جذبہ تھا اس سے بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصّہ دوم ص ۲۰۲

کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

> "جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت میں بیعت کو آتا تو فرماتے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھاتے اسکے بعد سورۂ بقرہ کا آخری رکوع آمن الرسول سے آخر تک پڑھتے اسکے بعد شہد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو ...... ان الدین عند اللّٰہ الاسلام تک پڑھتے اسکے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اسکے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر اور حضرت عزت (جل مجدہٗ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت اور شریعت کے راستہ اور طریقے پر قائم رہو گے"[1]

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آ گئے، سمع و طاعت رکھنے اور راسخ رہنے کا وعدہ اور ارادہ بھی آ گیا، یہ بات بھی آ گئی کہ اللہ کے یہاں قابل قبول دین صرف دین اسلام ہے اس کا احساس بھی پیدا ہو جانا کرایا گیا کہ یہ بیعت دراصل دست مبارک نبوی پر ہے اور شیخ کا ہاتھ اس دست مبارک کا قائم مقام ہے۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہ شریعت پر قائم رہا جائیگا۔ تجدید ایمان اور خدا و رسول سے اپنا ٹوٹا ہوا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سب ہی صدق دل سے اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں ایک بڑی تعداد اس اقرار و عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کے لئے یہ تجدید ایمان اور انقلاب حال کا ذریعہ بن جاتی۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۳

عمومِ بیعت کی حکمت

بیعت ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعت اختیار فرما رکھی تھی اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی اس پر بعض لوگوں کو یہ شک پیدا ہو سکتا ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس کی شرائط میں وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا، اشراق سے چاشت تک آپ کی دلپذیر اور جان نواز باتیں سنتا رہا، اس دن خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی عنایت سے اس فن کو عام کر دیا ہے اور آپ خاص و عام سب کو مرید کر لیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے، فرمایا:—

"مولانا ضیاء الدین! تم طرح طرح کی باتیں سوچتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ
میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں؟"

یہ سنکر مجھ پر ایک سناٹا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم پکڑ کر عرض کیا کہ ایک عرصے سے میرے دل میں یہ خیال تھا آج بھی یہی وسوسہ آیا تھا، اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی، حضرت نے فرمایا:—

"حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک خاص صفت رکھی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی رسوم و عادات الگ ہوتی ہیں اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے اخلاق و طبائع سے میل نہیں کھاتے، تو شیخ اگر اس سے

مستغنی ہونے نہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول بحق اللہ ہو جائے جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کے ساتھ تصریح ہے۔ مشائخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے لیکن سلطان ابو سعید ابو الخیر کے عہد سے لیکر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے لیکر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وقت تک یہ سب حضرات مستحق سجادہ تھے اور آیات من آیات اللہ تھے خلق خدا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا اس طریقہ کے لوگوں نے شروعات کیا ان بندگان خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے گھبرا کر ان عاشقان خدا کا دامن تھامنا چاہا اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا اور خرقہ توبہ و تبرک عطا کیا ہر شخص ان محبان خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابو سعید، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا میں بھی مرید کروں اس لئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے ــــ اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا ایک سبب تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سنتا ہوں کہ بیشک مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور ورد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اگر میں بھی شروع ہی میں اس بات کی شرط کرلوں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ نہ دوں تو

ارادت کی جگہ پر ہے، شروع میں تو وہ فقیر کی اس تقلید سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آتی ہے محروم ہو جائیں گے، دوسرا سبب یہ ہے کہ خیال کرتا ہوں کہ میرے ملانے کا خیال نہ کریں یا میں اسکی بیعت درخواست رد کروں، التماس کریں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کریں، شیخ کامل مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی ہے، میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و فروتنی اور بڑی مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اسکی بات سچ ہو، اسکو بیعت کر لیتا ہوں، خاص طور پر اسلئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں۔[1]

عمومی زندگی پر اثر

یہ بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات و اشتغال پر، اور اہل حکومت سے لیکر اہل حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا، اور دار الحکومت دہلی میں جو شوکت و دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا، اسباب تعیش و دستیابی اور ہزاروں برس کے تمدن کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیل رواں کی طرح یہاں امنڈے چلے آتے تھے، دینداری، خدا طلبی، عشق الٰہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ، صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانت داری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اس عہد کے صاحب نظر اور معتبر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سنیئے، وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۴۶ و ص ۳۴۷

[2] حضرت مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے رفیق دار المصنفین کی کتاب "بزم صوفیہ" سے مع خفیف اختصار کے نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ص ۲۰۰

" سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور ان کی مدد سے گنہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاریوں سے ہاتھ اٹھا لیا اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز ہو گئے اور طبیعتوں نے دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی اور توبہ صحیح ہو گئی اور عبادات لازمہ اور مستحبہ کا اہتمام ہو گیا اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے لئے ہر فتنہ و برائی کی بنیاد ہے ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی اور سالکوں کی نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دلوں میں پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں صفائی پیدا ہو گئی اور ان کے تہذیب اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اکثر لوگوں کے دلوں میں ان صفات کے بجالانے کی خواہش پیدا ہوئی اور ان کی دین داری اور ان کی صحبت اور اخلاق کے اثر سے خدا تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی اور آسمانی بلاؤں کے دروازے بند ہو گئے اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبائی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی مجلس سماع اور عاشقانہ عبادات و زاری کی برکت سے مغلوں کا قدم جو سیلاب بلا تھا اپنے فرو ہوا اور ہر بلا جس کا آنا مقدر ہو چکا تھا زیادہ تر دفع ہو چکے تھے اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کی وجہ سے ان کے معاصرین کو نظر آتی ہیں وہ شعائر اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئی تھیں اور احکام شریعت و طریقت کو جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا۔ کتنا عجیب زمانہ تھا جو سلطان علاء الدین کے آخری دس سال میں نظر آیا۔

طرف سلطان علاؤ الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو جبر و غلبہ قہر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا اور بالجبر دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور جوا پرستوں کیلئے گناہوں کا اڈا اور حریصوں بخیلوں اور تاجروں کیلئے سود وغیرہ بد دیانتی کا سامان اور عشق پرستوں کے لئے زنا و فسق کی استعداد اور نیکیوں کے لئے کبر معاصی جرأت غفلت اور کسلمندی پیدا کرنے والا ہے اور عبادت گزاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہو، سلطان علاؤ الدین پر یہاں سے کہ جو اسکو خطاب الملوک اور حکام سے سختی سے لے لیتا اور بازاروں کو کر دیا گیا تھا: قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم نے بھی اختیار کرنے سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور بیچنے کے لئے خوف و ہراس میں رکھا تھا۔

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولتمند بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب کو طاقیہ توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے اور توبہ کا خرقہ پہنا کرتے تھے اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے مرد و عورت بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے،

اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہوگئے تھے۔ ملک یار پران نے شہر سے غیاث پور تک چند متفرق مقامات پر چبوترے تعمیر کردیئے تھے، چھپر ڈال دیئے تھے، کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کردیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لیے کوئی تردد نہ ہو اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہوگیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیق تھی، یہ بھی کہ کن نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں...... پچھلی نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں۔ آخر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمدورفت کے وقت یہ پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اس قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے۔ اس زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت و عبادت

زہد، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان
کرنے کے سوا کوئی دوسرا کلام نہ تھا، دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، کسی
دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایتیں
سنتے تھے اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے — کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ
اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار،
لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوگئے تھے اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام
بیض کے اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ
بیس دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہیں ہوتا تھا اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی اور
باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازیں مسجدوں اور گھروں میں
ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام
کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، ایک کو ایک سے نہیں گھٹنے دیتے، شیخ کے مریدوں میں جو
بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گزارتے، بعض
عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدوں میں سے
چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات
ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس کی برکات، ان کی مقبول
دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف
مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے — سلطان علاء الدین اپنے تمام
گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دلوں نے
نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے چند آخری سالوں میں شراب، معشوق، فسق

فجور، جوا، مے نوشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آتا تھا، بہت سے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علم اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی، قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی نہ لٹکی نظر آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، مختصر خلاصہ یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدی میں شیخ جنید اور شیخ بایزید کے مثل پیدا کیا تھا۔[1]

عشق کا "روز بازار"[2]

تربیت، تجدید ایمان اور اصلاح حال کے اس عام ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دہلی کا کچھ حصہ متاثر ہوا تھا، دہلی اور ایران کی شاعری "ایام ہندوستان تک اس کی لہریں پہنچی تھیں، ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ روحانی تحریک اور علمی افسردگی کی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۲ و ص ۳۴۳

اس دنیا میں جہاں لذت و نوش اور معیشت و کوشش کے سوا کوئی مسابقت نہیں ہوتی تھی، جذبۂ الٰہی کی ایک ہوا چلنے لگی، اور عشق کا سودا عام ہو گیا، ہر جگہ درد و محبت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور بزرگانہ و عاشقانہ شعروں کی گرمی تھی، امیر خورد مصنف سیر الاولیاء نے خوب لکھا ہے[1]:-

کار محبت و عشق را روز بازارے	محبت و عشق کے کاروبار کا زمانہ
در جہاں پیدا آمدے ...... و خلق	میں ایک بازار لگ گیا، لوگوں کو
را در آں زماں راحت جز حکایت	سماع کی حکایات، صوفیا کے اخلاص و
سماع و اخلاص و نیاز مندی و شفقت	نیاز مندی، شفقت و نرمی و یکجائی
و یگانگت و دل دہی پا بوسی و سر دہی	اور اہل دل کے قدموں پر سر رکھ دینے
پیشے اہل دلاں جہاناں کارے دیگر	کے علاوہ کسی اور بات سے راحت
نبودے	نہیں حاصل ہوتی تھی۔

خلفاء کی تربیت

اس سلسلۂ ارشاد و تربیت اور طریق عشق و محبت کو ہندوستان میں دور دور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے عالی استعداد و سراپا اخلاص خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا، ان میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں، ان سے مجاہدات کرائے، ان کے سلوک کی نگرانی کی، ان میں جو عالی استعداد رکھتے تھے، لیکن زیور علم سے عاری تھے ان کی تعلیم و تکمیل کا بندوبست کیا، ان میں سے جن کے دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرہ کا نشہ نہیں گیا تھا ان کی اصلاح فرمائی، جو خلق خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے، لیکن انھیں گوشہ نشینی و عزلت گزینی

---

[1] سیر الاولیاء ص [illegible]

اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا تعلق تھا، جو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور خلق خدا کی جفا و تقاضا کو برداشت کرنے پر مجبور کیا، اصلاح و تربیت کا جو نازک کام آپ کے پیش نظر تھا اور اپنے خاص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا، اس میں جو چیز حارج اور مزاحم نظر آئی، آپ نے اس کو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن علمی حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا، آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں، اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا لیکن سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے یاد حق میں مشغول تھا، مگر جس کام پر عمر گذاری تھی اس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا۔ مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا، وہ خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سلطان المشائخ پر یاد الٰہی کی ایسی کچھ تجلی تھی کہ دوسروں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدین کو کچھ جرأت تھی، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو احباب کسی وقت بحث کر لیا کریں، سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور مولانا جلال الدین ان کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ: ”میں کیا کروں، مجھے تو ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے۔“[1]

مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ کے خلیفہ اعظم اور اصل جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے، اس بات کے بڑے خواہشمند رہتے کہ وہ کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے، خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں تفرقہ پڑتا ہے اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۱۲

امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا :۔

او را بگو ترا در میان خلق می باید بود	ان سے کہہ دو کہ تم کو خلق ہی کے درمیان
و جفا و قفائے خلق می باید کشید	رہنا ہوگا اور مخلوق کی جفا و قفا اور
و مکافات آں بعذل و ایثار و عطا	بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس
می باید کرد[1]	کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ۔ اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں، اس لیے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا[2]، ارشاد ہوا کہ نہیں شہر ہی میں رہو اور ایک عام آدمی کی طرح رہو جو نفع پہنچاتا ہے، کہ تم کو ایک امام کی جگہ بیٹھنا ہے اور ایسی جگہ رہے کہ تمہیں جمعیت خاطر نصیب ہو، جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو درویشی اور شہرت تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے اور ہر طرح تمہارا وقت خراب کریں گے، اس کے علاوہ کنوئیں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

چشتی خانقاہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے۔

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰ
(۲) شیخ نصیر الدین محمود
(۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی
(۴) شیخ حسام الدین ملتانی
(۵) مولانا فخر الدین زرادی
(۶) مولانا علاء الدین نیلی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۴۳ [2] یعنی بعض لوگوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کا احتمال ہے۔

(۷) مولانا برہان الدین غریب	(۸) مولانا یوسف چندیری
(۹) مولانا سراج الدین اخی سراج	(۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین با اختصاص

(۱) خواجہ ابوبکر	(۲) مولانا محی الدین کاشانی
(۳) مولانا وجیہ الدین پائلی	(۴) مولانا فخر الدین مروزی
(۵) مولانا فصیح الدین	(۶) امیر خسرو
(۷) مولانا جلال الدین	(۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی
(۹) امیر حسن علا سجزی	(۱۰) قاضی شرف الدین
(۱۱) مولانا بہاء الدین ادہمی	(۱۲) شیخ مبارک گوپاموی
(۱۳) خواجہ موید الدین کرکی	(۱۴) خواجہ تاج الدین داوری
(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی	(۱۶) خواجہ موید الدین انصاری
(۱۷) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ	(۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی
(۱۹) خواجہ سالار	(۲۰) مولانا فخر الدین میرٹھی

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافت خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے۔ انھوں نے نہایت نامساعد حالات اور سخت سے سخت طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقول شاعر ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اُس میں حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کا ہاتھ تھا۔ پورے چھتیس سال تک انھوں نے سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام دارالحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کیساتھ چلایا۔ پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا، جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطّر کر دیا۔ یعنی حضرت سید محمد گیسو درازؒ مدفون گلبرگہ[2] (م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کیا ہے ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵۶ھ) تھے جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر روزگار گزرے جنھوں نے عشق الٰہی کا بازار گرم رکھا اور لاکھوں بندگان خدا کے دلوں میں محبت آلٰہی اور عشق النبی کی آگ بھڑکا دی۔[3]

حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبد المقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں — ان میں ہر ایک شیخ وقت اور مرجع خلائق تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از سراج عفیف۔

[2] حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ کے حالات و کمالات کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[3] ان بزرگوں کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ مشائخ چشت" از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

دہلی کی مرکزی خانقاہ کے علاوہ جس کی مسندِ ارشاد پر یکے بعد دیگرے سلطان المشائخ اجل حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلیؒ جلوہ گستر رہے، ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور، گنگوہ پر بیسیوں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں، جنھوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن کیا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علم و محبت و تربیت، خدمتِ خلق، ایثار و قربانی، ابتذال و عطاء، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں بہہ جائے گا اور متاعِ درد جس کشتی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی، لیکن ان سوختہ سامانوں اور سوختہ دلوں نے اس متاع کی حفاظت کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سلگتی رہی، ان میں ہر خانقاہ اپنے مرکزی و اصلاحی کارناموں کیلئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحق پنڈوی[1] و حضرت نور قطب عالم پنڈوی[2]

---

[1] شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی کا اصل نام عمر ہے، آپ کے والد اسعد لاہوری بنگال میں منصبِ وزارت پر فائز تھے، شیخ علاء الحق حضرت محبوب الٰہی کے مشہور خلیفہ مولانا سراج الدین عثمانی اودھی سے شرفِ بیعت رکھتے ہیں، ان کے خلیفہ و رشید کی شہرت عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں، سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی م ۸۰۸ھ آپ ہی کے خلیفہ ہیں، ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

[2] نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے، اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و رجوعیت عطا فرمائی تھی، آپ کے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی خانقاہ تھی۔ مجاہدات و ریاضت، کثرت اور بے نفسی و خورشکنی اور علوم و حقائق میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے، خلفاء میں حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری م ۸۵۳ھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جن کی ذات سے بہار و اودھ میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ۸۱۸ھ میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء" "انیس الغرباء" اور مکاتیب کا مجموعہ یادگار ہے۔ ملفوظات و مکتوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۳)

دکن میں شیخ برہان الدین غریب۔ ان کے خلفاء میں شیخ زین الدین، شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری تقی، پھر ان کے خلیفہ قطب عالم عبداللہ بن محمود بن الحسینی (م ۸۵۵ھ) اور ان کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم گجراتی نے بوریۂ فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

اودھ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا مغیث الدین وغیرہ اور دسویں حضرت شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی خیرآبادی، شیخ عبدالصمد عرف صفی الدین صفی پوری، شیخ حسام الحق مانک پوری، شیخ عبدالکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب سلسلۂ نظامیہ کے شیوخ ہیں جنھوں نے بھی اپنی اپنی جگہ رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جا بجا ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں جن کے مشائخ کبار اور بانیان سلسلہ کو سلسلۂ نظامیہ کے شیوخ چشت سے نسبت خاص اور اجازت عام حاصل تھی اور وہ چشتی ذوق و نسبت کے حامل تھے۔ ان میں سے جونپور کی خانقاہ رشیدیہ اور پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدیہ کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحکیم الحسینی مانکپوری سے سلسلۂ حسینیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ مجیبیہ کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی (م ۱۱۹۱ھ) کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور حضرت شاہ معین الدین کرجوی کے واسطے سے پہونچا ہے۔ شاہ معین الدین کرجوی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات سلسلۂ نظامیہ و صابریہ دونوں کی مجمع ہو گئی

اور برکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلہ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل ہوئی تھی جبکہ حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلہ نظامیہ میں بیعت ہوئی تھی۔ حضرت درویش کو تین طریقوں سے سلسلہ نظامیہ پہونچا تھا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ج ۲ ص ۳۰۱)

باب ہفتم

حضرت خواجہؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات
آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخؒ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے امراء دربار اور ارکان سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ مؤید الدین تھے، ان کو حضرت خواجہؒ سے تعلق پیدا ہو گیا اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت سرکاری ملازمت سے اچاٹ ہو گئی اور وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ سلطان ان کا بڑا قدردان تھا، ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہؒ سے شکایت کی اور کہا کہ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بلکہ اپنے سے بہتر۔[1]

حضرت خواجہؒ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۳۱)

سلاطینِ وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوگئی تھی، اور یہ خدا کے نام اور ربِّ خدا کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا اس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا اور جو دل الٰہی محبت سے آباد رہے گا اس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا، جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہو گیا، وہ سلاطینِ عالم کے کرّ و فرّ اور ان کے دربار کی زرق برق، احتشام اور ان کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور نگاہ دورباش اور دربار کو بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا اور جاہ و جلال کی کوئی نمائش اس کو حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصّہ اور مردانِ خدا اور درویشانِ کامل کا شیوہ ہے ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ　　ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی
آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت خواجہؒ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس ”اسد اللّٰہی“ اور اس حق گوئی و بے باکی کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطینِ وقت سے بے رعبی اور حق گوئی کے نمونے

سلطان محمد تغلق کے تشدد و جبروت سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گذر ہوا، ایک سے چار کوس کے فاصلہ پر جس مقام میں خیمۂ شاہی و خرگاہ نصب ہوا، سلطان نے مخلص الملک نظام الدین ندرباری کو جو اپنے ظلم و قساوت میں اس زمانہ میں مشہور تھا ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا، وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منور نبیرۂ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی و خلیفۂ حضرت سلطان المشائخؒ کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخؒ کے خلیفہ ہیں

کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس دیار میں آئے اور شیخ آپ کے سلام کو حاضر نہ ہوں۔ مخلص الملک نے حاجب پر سب کیفیت عرض کی اور یہ بھی کہا کہ سلطان التتمش کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کیلئے حاضر نہیں ہوئے۔ بادشاہ کو یہ سنکر غصہ آیا۔ اسی وقت حسن سر برہنہ کو جو ایک بڑا معتبر وجاہت پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لیے بھیجا۔ حسن سر برہنہ جب مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ پا شیخ کی دہلیز میں آ کر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا۔ حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا مجھے فرمان سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا۔ یہ کہا اور مصلیٰ کاندھے پر ڈالا، لاٹھی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہو گئے۔ حسن نے سواری کے لیے عرض کیا۔ فرمایا۔ نہیں مجھ میں قوت ہے، میں پیدل چل سکتا ہوں۔ جب شہر میں پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی۔ سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں۔ وہیں پہنچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اُس زمانہ میں نائب باربک تھے کہا کہ ہم فقیر لوگ کیا بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ غیاث شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امراء اور ملوک اور نقیب چاؤش دو رویہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہانسی سے ہمرکاب آئے تھے کم عمر تھے اور انہوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ نہیں دیکھی تھی، ان پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ:

بابا نور الدین! العظمة والکبریاء للہ" صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہو گئی۔ سارا رعب جاتا رہا اور یہ جو امراء و ملوک ہر جانب کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اطلاع ہوئی کہ شیخ آ رہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا۔ دو کمان ہاتھ آگے بڑھ کر استقبال کی

میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اس نے خلاف معمول تعظیم کی اور معانقہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی، دنیا کی ملاقات سے عزت نہ بخشی۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہ سے ملاقات کرے۔ ایک کونے میں بیٹھا بادشاہ اور اہل اسلام کی دعا گوئی میں مصروف ہے، اسکو معذور سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور باہر جاتے ہوئے فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصد و مطلب یہی ہے کہ اپنے والد اور باپ کے گوشہ عافیت میں واپس چلا جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے معانقہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اس کے ہاتھ میں کپکپی تھی لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے معانقہ کیا کہ ان پر ذرہ برابر خوف نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا نعوذ باللہ یہ درویش ایک لاکھ تنکہ قبول کرے۔ انہوں نے واپس آ کر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ قبول نہیں کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی، یہاں تک کہ بات دو ہزار تنکے پر پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا سبحان اللہ درویش کو تو دو سیر جوار اور دال ایک تنکہ کی کافی ہے۔ دو ہزار تنکے لے کر کیا کرے گا۔ بڑی کوششوں اور حیلوں سے یہ کہہ کر کہ بادشاہ رنجیدہ ہو جائے گا آپ نے دو ہزار تنکے قبول کیے اور وہ بھی اپنے یاروں، طالب علموں اور اہل حاجت میں تقسیم کر کے واپس چلے گئے۔[2]

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دولت آباد منتقل ہو جانے کا حکم دیا اسی زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لے لے اور چنگیز خان کی اولاد کا قلع قمع کر دے۔ اسی زمانہ میں تنگی ہوئی اور

---

[1] تنکہ یا ٹنکا اس زمانہ میں ہندوستان کا روپیہ تھا، اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی تھی۔ [illegible] بعض لوگوں [illegible]۔ [2] سیر الاولیاء، صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶

اطراف دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں بڑے بڑے خیمے نصب کریں ان خیموں میں منبر رکھے جائیں اور ان منبروں پر بیٹھ کر حضرات علماء تقریر کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس اثنا میں حضرت خواجہ نظام الدین کے خلفاء خاص مولانا فخر الدین زرادی، مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہ سلطانی میں لے گئے۔ مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا لیکن اب فرمایا آج میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں لیکن میں کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سرا پردہ سلطانی میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین منور نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں اور خدمتگاروں کی طرح بغل میں دبا کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خان کی اولاد کا قلع قمع کر دوں آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ مولانا نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا کہ یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ سلطان نے یہ سنکر پیچ و تاب کھایا اور کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے مولانا نے فرمایا کہ غصہ کو جانے دو۔ سلطان نے کہا کون سا غصہ۔ مولانا نے فرمایا غضب سبعی درندوں کا غصہ۔

اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا مگر کچھ کہا نہیں۔ پھر کہا کھانا لاؤ۔ خاصہ شاہی لگا سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھاتے تھے۔ مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ سلطان اور زیادہ اظہار تعلق کیلئے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا۔ مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے پھر دسترخوان بڑھایا گیا اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا۔ رخصت کے وقت ایک اونی پوشاک اور ایک بدرہ کی تھیلی پیش کی لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے شیخ قطب الدین منور نے

[illegible] خیمہ [illegible] کو کہتے ہیں ۱۲

ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اسے قریبی آدمی تم نے دیکھا، کیا حرکت کی؟ پہلے فخر الدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں، پھر ان کی خلعت دیکھ کے سنبھال لیا اور اس کو میری تلوار سے بچا لیا، اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین میرے استاد اور میرے پیر و مرشد کے خلیفہ ہیں، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں ان کی جوتیاں تعظیماً سر پر رکھتا، بغل میں لینا تو کوئی بھی بات نہیں، اور یہ خلعت دیکھو کیا بڑی چیز ہے۔ سلطان نے کہا کہ اگر آج یہ حقیقت نہ کھلتی تو کچھ بعید نہ تھا کہ میں قتل کرا دیتا۔ آخر وقت جب مولانا فخر الدین زرادیؒ کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدین میری خون آشام تلوار سے بچ گئے۔[۱]

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطین وقت سے بے تعلق اور سرکار و دربار سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا رکھا تھا، لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے اور جب کبھی ان کو صحیح مشورہ دینے، کسی بہتر انتخاب یا ایثار روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زریں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمران ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ ہو سکا، ایک سلسلہ ابواب خیر کا کھلا اور عام مخلوق خدا کو راحت پہنچی۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسن سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، علم دوستی اور اسلام پسندی، رفاہ عامہ، انتظامی صلاحیت اور تبلیغ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام و تعمیر میں جو خصوصیت حاصل تھی اس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہوگا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت کا اسی سے بہت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

[۱] سیر الاولیاء، صفحہ ۲۷۲ و ۲۷۳

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے :—

او پادشاہے بود فاضل و عادل و کریم بود	وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف
حلیم و رحیم بود با رعایا و بردبار	مہربان، رحم دل اور بردبار بادشاہ تھا، رعیت
ہیچ کس در عہد او یارائے ظلم نداشت[1]	اور فوج سب اس سے راضی تھی کوئی اسکے

عہد حکومت میں ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اس کے آئین حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں: ۱- اس نے کسی مسلمان و ذمی کی سیاست[2] و تعذیب نہیں کی۔ انعامات، عطیوں اور تالیف قلب کی راہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں رہی۔

۲- خراج رعایا جس قدر رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا، اضافہ و توفیر کا جو سلاطین سابق کا دستور تھا موقوف کیا، رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی۔ اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرفہ الحال رہی۔

۳- حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی سرداری پر دیندار و خدا ترس لوگوں کو مامور کیا، کسی فساد انگیز بدنفس کو عہدہ نہیں دیا۔ "الناس علی دین ملوکہم" کے اصول کے مطابق حکام و امراء اور کارپردازان حکومت نے بھی اسکی پیروی کی۔[3]

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کا خاص ہاتھ تھا[4] اور اس کی فیروزمندی اور کامیابی میں ان کی دعا اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص [illegible]

[2] سیاست و تعذیب کے وہ سخت طریقے جو سلاطین سابق نے نکالے تھے۔

[3] تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص [illegible]

[4] تاریخ فرشتہ ص ۱۵۹ (ج ۱)

سراج عفیف لکھتے ہیں :۔

چوں سلطان محمد ز دنیا بحق در ٹھٹھہ رفت	جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھہ ملک بقا کی جانب
خدمت شیخ نصیر الدین را با خود برده بُد چوں	وہ کر گئے ہمراہ تھا حضرت شیخ نصیر الدین کو
سلطان محمد در ٹھٹھہ نقل کرد و سلطان فیروز بجا	اپنے ساتھ لے گیا تھا، سلطان کا جب انتقال
در بیعت شاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین	ہوا اور سلطان فیروز شاہ دربار شاہی میں بیٹھا
بر سلطان فیروز شاہ پیغام کرده کہ ایں خلق را	حضرت شیخ نصیر الدین نے فیروز شاہ کو پیغام
انصاف کنی یا کرد یا بہ ایں مشغلہ مسکینان	بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف
والی دیگر از حضرت تبارک و تعالیٰ التماس کرده	کرو گے یا میں ان غریبوں کیلئے اللہ سے کوئی
آید سلطان فیروز جواب فرستاد کہ با بندگان	دوسرا حاکم مانگوں۔ سلطان فیروز نے جواب
خدائے تعالیٰ حلم ورزم و اتفاق کنم چناں	دیا کہ بابندگان خدائے تعالیٰ حلم ورزم و
خدمت شیخ ایں لفظ شنید بر سلطان فیروز	اتفاق کنم۔ جب حضرت شیخ نے یہ جواب سنا
جواب فرستاد کہ اگر خلق را بہ چنیں حسن سلوک	تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق کے ساتھ اسی طرح معاملہ
خواہی کرد نام ترا از اللہ تبارک و تعالیٰ	کرو گے تو میں نے اللہ سے تمہارے لئے
بچہل سال ملک خواستہ ایم دعا قبول گردید	چالیس سال ملک لے لئے ہیں اسوقت بھی
شد سلطان فیروز تا چہل سال ملک راند	یہی ہوا کہ سلطان فیروز نے چالیس سال حکومت کی

سلطان محمد شاہ بہمنی (۱۳۵۸ء۔ ۱۳۷۵ء) کو تمام مشائخ دکن نے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اسکے ہاتھ پر حاضرانہ اور غائبانہ بیعت کر لی لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین داؤد (م ۱۳۷۰ء)

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۴۲

نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیات شرعیہ کا مرتکب ہے اور فرمایا۔

سزاوار بادشاہی خلق کے ہست کو ظالم	ظلم و تعدی پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص
شعار ملت محمدی کوشید سرّا و علانیہ	ہے جو شعائر اسلام کی مخالفت میں کوشش کرے
بہ پیرامن مناہی گردد	اور خلوت و جلوت کی حالت میں ممنوعات شرعی کا مرتکب ہو۔

سنہ [illegible] میں جب سلطان دولت آباد سے دہلی داخل ہوا تو حضرت شیخ کو پیام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دستخطوں کی میرے پاس بھیجیں۔ شیخ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ ایک قریہ میں کسی تقریب سے ایک عالم، ایک مجتہد اور ایک بے پڑھا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بت خانہ میں جائیں، جو بت کو سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہوگی اور جو انکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائیگا۔ پہلے عالم کی باری آئی انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا[1] اور بت کا سجدہ کرکے اپنی جان بچالی۔ مجتہد نے عالم کی تقلید کی۔ جب بے پڑھے کی باری آئی اس نے کہا میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری ہے میں نہ عالم ہوں نہ مجتہد کہ ان کی رخصت کی پناہ میں ایسا کام کروں۔ اس نے قتل ہو جانا منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا۔ میرا قصہ بھی اسی بے پڑھے کے قصے سے مشابہت رکھتا ہے۔ میں تمہارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی اور شیخ بہاء الدین کے مقبرے میں جاکر ان کی قبر کی پائنتی اپنی لاٹھی گاڑی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے اٹھائے۔ بادشاہ نے شیخ کی یہ مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرعہ کاغذ پر لکھ کر صدر جہاں کے ہاتھ بھیجا

---

[1] الا ان تتقوا منھم تقٰۃ (سورۂ آل عمران پ ۳ رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ ان سے کسی قسم کا ڈر ہو یا اندیشہ رکھتے ہو۔

ہے   از من نماند آن تمام تو ز ان من باش ؎

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ملک کو سرے سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے، لوگوں کے سامنے شراب نہ پیئے اور قضاۃ و علماء و صدور کی عزت کرے، امراء و اشراف نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں تو فقیر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا ؎

تا من بجرم بجز نکوئی نکنم   جز جانب دل ز نیک خواہی نکنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند   تا دست بود بجز نکوئی نکنم

(ترجمہ: جب تک مجھ سے ہو سکے گا یہ جان ہو سوائے بھلائی کے نیک دلی اور نیک خواہی کے بجز کچھ مجھ سے نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی، جب تک ہم سے ہو سکے گا ہم ان کے ساتھ سوا بھلائی کے کچھ نہ کریں گے)

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور فرمان جاری کیا کہ ان تمام ہدایات پر عمل در آمد فوراً کیا جائے۔ قبل اس کے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو سلطان نے بہ رعایت وقت کی حکومت مسند عالی پاتے ہی محرمات ترک کی اور تجدید توبہ کر کے کلمہ پڑھا اور شراب کی دکانیں اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوششیں صرف کیں۔ رہزنوں کی سرکوبی کے لئے ... ایسے لوگ جو بڑے مفسد مشہور تھے اور جنہوں نے رہزنی کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا ختم کرنے کا انتظام کیا۔ کچھ ہی مدت کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چھ سو رہزنوں کے سر کاٹ کر اطراف و جوانب کے گھر گھر میں لائے گئے۔ سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت کرتا رہا اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ نے بھی اس کی بہت افزائی و قدر دانی اور عنایات اور مشوروں سے دریغ نہیں کیا۔[۱]

---

[۱] تاریخ فرشتہ (جلد اول) از صفحہ ۴۲۳ تا صفحہ ۴۲۴ طبع پونا (۱۳۳۲ء) - ۱۲

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطین وقت کی پشت پناہی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت کی ضمانت تھیں، بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پنڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی، جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی[1]۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں:-

> "حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے، جس زمانہ میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی، راجہ کنس (جو بھتوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا، حضرت نور قطب عالم نے براہ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سید اشرف جہانگیر کے مجموعے میں دو دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا وہ بنگال میں صوفیائے کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے"[2]

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیئے گئے، اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوف محض عزلت و خلوت نشینی اور ترک دنیا

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم صفحہ ۱۱۰ عنوان "تسلط شدن راجہ کانس زمیندار" صفحہ ۱۰۹ [2] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۷۲

اور اقبال کے الفاظ میں مرد حُر ہیں ان کو سمرقند و دمشق نہیں تھا انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانہ کے بدلنے اور حالات زمانہ سے ستیزہ آرائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمۂ حق کہنے، اُن کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو اصلاح و مشورہ دینے سے کبھی پس و پیش نہیں کیا اور جب کبھی اُن کے اولوالعزم مشائخ کو موقع ملا انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اشاعت اسلام

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغ اسلام پر رکھی تھی اور اس کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور مساعی کی رہین منت ہے۔ ان ہی کی ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عنداللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جوگیوں کی اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا، یہاں کے جوگی نفس کشی اشراق اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضات شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت پیدا کر لی تھی، ان میں بہت سے لوگ اس نووارد مسلمان فقیر کے امتحان اور آزمائش کے لئے اُن کے پاس آئے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الوطن درویش ان سے قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے اور ساحران فرعون کی طرح ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اُس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے، اسی کے ساتھ اُن کے اخلاق کی پاکیزگی، اوصاف حمیدہ، زاہدانہ و سادہ طرز زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی اور بلاتفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد اور دشمن بھی دوست بن گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہؒ کی اشراقی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم ترین معاصر ماخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے

اُس وقت کے ذوق و رجحان اور ماحول کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں۔ در اصل جس چیز نے حضرت خواجہؒ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا وہ تنہا ان کی تبلیغی قوت نہ تھی بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص، اخلاق اور ان کا وہ طرز زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگؒ کے اس سلسلہ میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعت اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی مجلس اور خانقاہ میں ہر مذہب و ملت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین از ہر	حضرت خواجہ فرید الدینؒ کی خدمت میں
جنس درویش و غیر درویش رسیدے[1]	ہر صنف و زمرے کے لوگ درویش و غیر درویش بیٹھتے تھے۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو حال، جذب اور قلبی قوت عطا فرمائی تھی اس کے پیش نظر یہ بعید نہیں کہ اشاعت اسلام میں وہ بعض معین حلقوں اور قوموں کی بہت بڑی تعداد ان کی روحانیت و کشش کی بدولت مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں خود بھی ان اپنے اسلاف کے قبول اسلام کو حضرت خواجہؒ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت آپ کی طرف کرتے ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:۔

> "پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گزرے ہیں۔ بابا فرید شکر گنج" کا تذکرہ جس مصنف نے

---

[1] فوائد الفواد ص

لکھا ہے، اس نے تحریر کیا ہے کہ ہندو قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا، لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل ذکر نہیں کیا۔[1]

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو اہل ہند میں اشاعت اسلام سے بڑی دلچسپی تھی، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کتب سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا، بالخصوص ہندو قوم کا جو اپنی پختگی، قدامت پرستی اور رسومات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہو محض زبانی تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں، اس کے لیے ان کے لیے مؤثر و طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور ساتھ ایک ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ تمہارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ اسی کو حضرت کے قدموں میں اسی لیے لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔ یہ سنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا کہ کسی کے کہنے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا، ہاں اگر اسکو کسی نیک بندے کی صحبت میسر آجائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔[2]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسند ہدایت و ارشاد پر متمکن رہے اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کے لیے کھلا رہا، یہ ناممکن تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف مذہب و ملت اور قوموں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی غرض و احتیاج کی بنا پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہؒ کے مرکز غیاث پور سے جانب جنوب متصلاً واقع ہے وہ

---

[1] دعوت اسلام ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی صفحہ ۱۸۲ [2] فوائد الفواد ص ۱۴۱

یہاں کے رہنے والوں کی رہزنی اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں تقریباً وہاں کے دروازے سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی بعد غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہؒ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت سے ضرور مستفید ہوا ہوگا۔ کچھ عجب نہیں کہ اتنی بڑی آبادی میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامات اور سد حاجت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنیں۔ یہ کہ چشتی خانقاہ اور خصوصاً [illegible] اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ بارھویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعتِ اسلام کا بڑا اہتمام تھا۔ انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے۔ ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں دلچسپی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

در آں کوشید کہ صورت اسلام رواج گیرد
دعا گویاں کثیر[1]

اس کی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع
اور اس کے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

بہرحال کمر اہتمام کوشیدہ از مشرق تا
مغرب ہمہ حقیقی پر کنید[2]

---

[1] مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۱، صفحہ [illegible] [2] ایضاً نمبر ۲، صفحہ ۱۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:-

"شیخ نظام الدین صاحب کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدہ اسلام ہوگئے بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔"

شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"و دیگر توجہ بود بہ ہدایت اسلام و ہنود ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام آمدہ اند اما از راہ تقیہ پوشیدہ می مانند"

ساتھ ہی وہ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"ہمارا دریں اجتہاد باید کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور آید تا وقت موت در تجہیز اموات مبادا احکام اسلام بعد از رحلت اجرا نیابد و مسلمان حقیقی بسوزند در نار اگر خطے می نویسد خطے تو خبر خواہد شد"[1]

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ دور وار مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقراء کی مساعی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان صوفیائے کرام میں سلسلہ چشتیہ ہی کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

خدمت و اشاعت علم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے خلفاء اور اہل سلسلہ کو علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اس کا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدین

---

[1] مکتوب ۱۱ ص ۱۲

کے تذکرہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودھی (اخی سراج) بانی سلسلۂ نظامیہ بنگالہ کے ساتھ رویے سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انہوں نے علم کی تحصیل و تکمیل نہیں کر لی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کتاب و سنت و شریعت دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے اور یہ رفاقت دور انحطاط تک قائم رہی۔ حضرت شیخؒ کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا مشہور شعر ہے: ؎

سألتُ العلمَ من احیاک حقاً
فقال العلمُ شمس الدین یحییٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ تجھے حقیقی حیات کس نے بخشی؟ اس نے مولانا شمس الدین یحییٰ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلفاء و ارادت مندوں و مسترشدین میں قاضی عبد المقتدر کندی (م ۷۹۱ھ) ان کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۸۱۷ھ) ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ مرجع علم میں سے ہیں۔ قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجگی کے شاگرد رشید شیخ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) فخر ہندوستان اور نادرۂ روزگار تھے اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی تاریخ میں زندۂ جاوید ہیں، ان کی شرح کافیہ جو شرح ہندی کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوئی، کے محشیوں میں علامہ زندی اور میر غیاث الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کی علالت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر ان پر سے تصدق کیا اور دعا کی کہ ملک العلماء میری سلطنت کی آبرو ہیں اگر ان کی موت مقدر ہی ہے تو ان کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جلال الاولیاء چشتی اودھی (م ۱۰۴۳ھ)

ان کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوڑوی، سید محمد زاہد کالپوی، شیخ محمد رشید جونپوری اور شیخ نصیر بنارسی جیسے علماء کبار و شیوخ عصر تھے۔ مولانا لطف اللہ کوڑوی کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا حمد اللہ سندیلوی مؤلف حمد اللہ، قاضی مبارک گوپاموی اور مولانا علی اصغر قنوجی تھے جنھوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا اور بڑے بڑے نامور عالم ہر دور میں ان کے حلقۂ درس سے تیار ہو کر نکلے۔ ٹیلے والی مسجد کا شہرۂ آفاق دار العلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م ۱۰۸۵ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا۔ خود درس نظامی (جس کی جہانگیری مسلم ہے) کے بانی ملا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) وہاں کے نامور جانشین اور وہ اس خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ذوق و شوق تھا اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت مخدوم قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پیشرو وہ گلبرگہ، ناگ پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

خاتمۂ کلام قبل اس کے کہ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحہ الٹ دیا جائے ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور اور انقلاب کے ساتھ تمام سلسلے اور ان کے بانیان کرام اور سلف عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا۔ تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی، یہ زمانہ بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق و درد و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغنا، ریاضت و مجاہدہ اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا، اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے بعض نمایاں عناصر ترکیبی ہو گئے۔

(۱) وحدت وجود کے عقیدہ میں غلو، اس کی اشاعت کا انہماک اور سماع کے باب میں ایک طرح کا توسع خاص

(۲) محافل سماع کی کثرت، وجد اور رقص کا تعدد ۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے ۔

(۵) اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کیلئے دین خالص کے یہ داعی عرب و ایران و ترکستان کے دور دراز مقامات سے آئے تھے خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے وہ ایک معمول اور رسوم بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین بحر و بر طے کر کے تشریف لائے تھے، عملاً کیا فرق ہے ؟ توحید کے لفظ کا استعمال، ورد و وظائف توحید وجودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی۔ سنت و اتباع شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، اہل ظاہر کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دو مختلف کوچے تسلیم کئے گئے جن میں صرف مغایرت نہیں بلکہ تضاد ہے مزامیر و آلات سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت سے مخالفت کی تھی، داخل طریقت بن گئے۔ وہ سادہ ذوق کی مجلس جو طریقہ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس انداز ایسی ہی بے رونق ہوئی کہ اب عارف کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا ہے

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فقر جو اس طریق کا فخر تھا شان امیری اور شکوہ خسروی سے تبدیل ہو گیا ۔

اس سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا مذاق کیا ہے کہ جن بزرگان قوم کا مقصد حیات یہ تھا کہ خدا کے سب بندوں کا سر دنیا کے تمام آستانوں ۔ ۔ ۔ ۔ سے ہٹا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکا دیں اور ناموری میں ان کے مرنے کے بعد جیتے جی مزاروں کو سجدہ گاہ بنا دیا ان کا اخلاق اور جن کی دعوت و زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور دعوت توحید کی تفسیر تھی ۔

ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ خدا تو اس کو

والحكم والنبوة ثم يقول	کتاب اور دین کی سمجھ اور نبوت عطا فرمائے اور پھر
للناس كونوا عبادا لي	وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا کو
من دون الله ولكن كونوا	چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے
ربانيين بما كنتم تعلمون	بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب الٰہی اوروں کو بھی
الكتاب وبما كنتم تدرسون	سکھلاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ خود بھی اس کو پڑھتے ہو
ولا يأمركم أن تتخذوا الملائكة	اور وہ یہ بات بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور
والنبيين أربابا أيأمركم	نبیوں کو رب قرار دے لو بھلا وہ تم کو کفر کی
بالكفر بعد إذ أنتم مسلمون؟	بات بتلاوے گا بعد اس کے کہ تم
(آل عمران - ع ۸)	مسلمان ہو۔

انقلاب نما! کہ خود قرآن کی ذات مطلوب و مقصود اور خود اس کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

* * *

مخدوم الملک

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

رحمۃ اللہ علیہ

۶۶۱ھ ——— ۷۸۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حالاتِ زندگی

ولادت سے بیعت و اجازت تک

خاندان احمد نام، شرف الدین لقب، مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام شیخ یحییٰ تھا، زبیر بن عبد المطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء و مشائخ میں سے تھے، خلیل[1] (شام) سے نقل مکانی کرکے بہار کے قصبہ منیر میں قیام پذیر ہوئے، بعض مصنفین نے آپ کو شہاب الدین غوری کا ہمعصر بتایا ہے[2]۔

---

[1] خلیل: یہ مشہور مملکت شام (فلسطین) کا ایک شہر ہے جو بیت المقدس سے تقریباً ۱۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفون ہونے کا شرف حاصل ہے، شرفاء اور صلحاء کی یہ قدیم بستی ہے، اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اپنے ساکنین کی نرم خوئی، مہمان نوازی اور حسن اخلاق میں مشہور رہا ہے۔

[2] اس روایت کا عام طور پر تذکرہ نویسوں کے ہاں سے شہرہ ہے لیکن صحیح و معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے (بقیہ [illegible])

مولانا محمد تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور اسکے مضافات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی کچھ عرصہ آپ نے منیر میں قیام کرکے وطن کو مراجعت فرمائی اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور منیر میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدینؒ کے نانا شیخ شہاب الدین جگجوت سہروردی سلسلہ کے شیوخ میں تھے۔ آبائی وطن کاشغر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جیٹھلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے تھے۔ زہد و ورع اور مقامات میں پایہ بلند رکھتے تھے اور اسی وجہ سے جگجوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے ان کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد شرف الدینؒ اور دوسری صاحبزادی سے شیخ احمد چرم پوشؒ جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے۔ اس طرح شیخ احمد شرف الدینؒ کا سلسلہ مادری سادات میں پہنچتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) اسکا اصلی لفظ منیر تھا فرہنگ ابراہیمی جس کا دوسرا نام شرف نامہ ہے اور جو شرف الدین احمد منیری بھی ہیں اور جو ۸۷۸ھ اور ۸۶۴ھ کے درمیان کی تصنیف ہے کے مقدمہ میں اسکے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے اپنے ایک مصرع میں کتاب کا نام اسطرح منظوم کیا ہے۔ "کہ شرف نامۂ احمد منیری" یہ مصرعہ جب ہی موزوں ہو سکتا ہے جب منیری پڑھا جائے۔ اس کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کو انگریزی میں اسی طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی منیری (MUNAYRI) ۱۲-

[۲] سیرۃ الشرف میں ہے کہ قصبہ ۵۷۶ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ مصنف نے ایک قطعہ تاریخ نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے:-

یافت چوں بر منیر محمد تاج ظفر   دار الاسلام شد زمین جہان رازی
۵۷۶
جست منقول از زبان سلف   سال آن دین محمد شد قوی

(بقیہ ص ۱۸۹ پر)

ولادت شعبان کے آخری جمعہ ۶۶۱ھ میں قصبہ منیر میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ شرف آگیں تاریخ ولادت ہے۔ آپ کے تین بھائی اور تھے: شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔

تعلیم جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اس زمانہ میں بہت سے ممالک اسلامیہ میں عام طور پر دستور تھا کہ درسی کتابوں کے متون لفظ بلفظ یاد کرائے جاتے تھے اور کچھ لغت کی مختصر کتابیں بھی تاکہ الفاظ کا ذخیرہ بچپن سے محفوظ ہو جائے۔ شیخ نے اس طرز تعلیم پر اپنی بعض بعض تحریروں میں تنقید فرمائی ہے اور قوت حافظہ اور وقت کے اس غلط استعمال پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ بجائے قرآن مجید کے ایسی کتابیں رٹائی جاتی ہیں جو دین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ معدن المعانی کے باب ششم میں فرماتے ہیں:-

درایام خوردگی چندیں کتابہا یاد گرفتہ	بچپن میں اُستادوں نے بہت سی کتابیں یاد
چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات و جز آں و	کرائیں مثلاً مصادر، مفتاح اللغات وغیرہ
کتابہا۔ و مفتاح اللغات چند سببے	مفتاح اللغات جیسی بڑی کتاب بھی جس کی
خواہد بود مقدار یک جلد یاد کرانیدہ بودند	ایک جلد کے یاد کرائی ہر جزو زبانی تھے
یاد تمام شنیدہ اگیست بجائے آں	تھے اس کے بجائے قرآن مجید یاد
قرآن یاد می کرانیدند۔	کرانا چاہئے تھا۔

افسوس ہے کہ تذکروں میں آپ کے ابتدائی اساتذہ کے نام اور ان کتابوں اور علوم کی تفصیل نہیں ملتی ہے

---

(۱) صفحہ ۱۹ کا بقیہ حاشیہ: اس طرح یہ ماننا پڑتا ہے کہ فتح منیر شہاب الدین غوری کی فتح ہندوستان ۵۸۸ھ سے قبل کا واقعہ ہے یعنی مسلمان غزنویوں کے عہد ہی میں بہار، بنگال کی سرحد تک پہنچ گئے تھے اور انھوں نے جابجا اسلامی عملداری اور قبضہ کی بنیاد ڈال دی تھی، تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ ے معدن المعانی مجلس [illegible]

جس کی آپ نے وطن میں رہ کر تحصیل کی۔ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے منیر میں رہ کر مختصر رسالات تک تعلیم حاصل کی اور وقت کے بڑے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔

مولانا اشرف الدین ابوتوامہ سے تلمذ اور سنارگاؤں کا سفر

وطن میں رہ کر علم کی تحصیل کے جو مواقع حاصل تھے جب آپ ان سے فراغت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی تحصیل و ترقی کے لئے ایک دوسرا انتظام فرمایا۔ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا اشرف الدین ابوتوامہ جو شمس الدین التمش کے عہد دولت ہی سے مرجع تدریس کے نظام شمسی کے ایک روشن ستارہ تھے۔ غالباً غیاث الدین بلبن کے عہد میں رجوع عام اور بعض حاسدان کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر اشارۂ سلطانی سے ترک وطن پر مجبور ہوئے اور اس وقت ہندوستان کی مشرقی مملکت کے آخری سرحدی شہر سنارگاؤں[2] کا قصد فرمایا۔ راستہ میں بہار سے گزرتے ہوئے آپ نے چند روز منیر میں قیام فرمایا جو غالباً اس وقت دہلی سے سنارگاؤں جاتے ہوئے ایک گزرگاہ اور سرائے اور آباد بستی تھی۔ اسی قصبہ

---

[1] تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا اشرف الدین ابوتوامہ کی تشریف آوری کے وقت شیخ شرف الدین احمد کی عمر پندرہ سال کی تھی تو یہ سنہ [illegible] ہوگا۔ اس لحاظ سے زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے [illegible] سے لے کر [illegible] تک سلطنت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوتوامہ نے سلطان غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔ جیسا کہ

"رموز مملکت خویش خسرواں دانند"

[2] سنارگاؤں مسلمانوں کے عہد میں مشرقی بنگال کا دار الحکومت تھا۔ اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو [illegible] اور یہ موگرا پاڑہ (Mograpara) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے اور دریائے برہم پتر سے [illegible] میل کے فاصلہ پر بستا ہے۔ سنارگاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں پرانی مسجدوں کے نشانات بکھرے ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا۔ یہ اس شاہی سڑک کا منتہی تھا جس کو شیر شاہ نے بنایا تھا۔

کو علم ہوگیا کہ دہلی کا ایک جید عالم فیروز آباد آیا ہے۔ صاحب مناقب الاصفیاء[1] کا بیان ہے کہ شیخ مولانا شرف الدین کے تبحر علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ علوم دینیہ کی تعلیم ایسے ہی جامع علم و عمل شخص سے حاصل کرنی چاہیے۔ آپ نے اپنے والد سے سنارگاؤں جانے کی اجازت مانگی اور ان کی اجازت سے مولانا شرف الدین کی ہمرکابی اختیار کی اور سنارگاؤں تشریف لے آئے۔ شیخ خود اپنی کتاب خوان پُرنعمت[2] کی مجلس ششم میں استاد کے متعلق اپنے تاثرات اور عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

مولانا شرف الدین ابو توامہ ایں چنیں	مولانا شرف الدین ابو توامہ ایسے عالم تھے
دانشمندے کہ در تمام ہندوستان مشار الیہ	کہ تمام ہندوستان میں ان کی طرف انگلیاں
بود و ہیچ کس را در علم ایشان شبیہ نبود۔[3]	اٹھتی تھیں اور علم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

سنارگاؤں پہنچ کر آپ حصول علم میں ہمہ تن منہمک ہوگئے۔

صاحب مناقب الاصفیاء کا بیان ہے کہ آپ کو مطالعہ اور اسباق درسی میں اتنا انہماک تھا اور وقت کی اتنی قدر تھی کہ طلباء اور حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا گوارا نہ تھا کہ اس میں کچھ زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ مولانا شرف الدین ابو توامہ نے آپ کا انہماک اور طبیعت کا تقاضا دیکھ کر اس کا انتظام کر دیا کہ آپ کا کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہنچ جایا کرے۔

---

[1] "مناقب الاصفیاء" مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف ہے جو شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے بھائی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ شیخ عبدالعزیز بن مولانا محمد احمد کے پوتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدینؒ کے حالات کا قدیم ترین اور قابل اعتماد ماخذ ہے۔

[2] خوان پُرنعمت ص ۳۱ (ملفوظ احمدی)

[3] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۳ (دوسرا)

شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور یکسوئی میں گذرا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سنارگاؤں کے زمانۂ قیام میں وطن سے خطوط پہنچتے تھے اُن کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے اور اس خیال سے پڑھتے نہیں تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصولِ مقصد میں خلل واقع ہوگا۔[1]

شیخ نے سنارگاؤں میں مولانا کی صحبت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی، علومِ ظاہرہ اور علومِ باطنی کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ اُن بعض علوم کی بھی تحصیل کریں جنکے اس زمانہ کے نوجوان عموماً طالب ہوا کرتے تھے، مثلاً علم کیمیا وغیرہ۔ شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ۔ مجھے علومِ دینیہ ہی کفایت کریں گے۔

ازدواج

مولانا شرف الدین ابو توامہ نے اس جوہر قابل کی پوری قدردانی اور سرپرستی فرمائی، اپنی صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کرکے اُن کو اپنی دامادی میں لے لیا، سنارگاؤں ہی کے زمانۂ قیام میں شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین پیدا ہوئے۔

مراجعت وطن

بعض سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فراغت کے بعد جب آپ نے خطوط کا خریطہ کھولا تو جو پہلا خط آپ کے ہاتھ آیا، اُس میں آپ کے والد ماجد شیخ یحییٰ کی وفات کی اطلاع تھی۔ اس اطلاع سے ماں کا خیال آیا اور محبتِ فرزندی نے جوش کیا اور آپ نے اپنے استاد سے وطن کو واپسی کی اجازت طلب کی اور صاحبزادہ شیخ ذکی الدین کے ساتھ منیر تشریف لائے۔[2]

شیخ یحییٰ منیریؒ کا انتقال باتفاق مورخین ۱۱ شعبان سنہ ۶۹۰ھ میں ہوا، اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی واپسی سنہ ۶۹۰ھ کے کسی حصہ میں ہوئی، اس سے زیادہ کی تاخیر کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے جن کے ہاتھ پر آپ نے دہلی جا کر بیعت کی، سنہ ۶۹۱ھ میں انتقال فرمایا

---

[1] سیرۃ الشرف ص ۱۲ ؛ تذکرۃ الفقراء طبع ۲ ص ۵

[2] سیرۃ الشرف ص ۲۳

اس لئے منیر واپسی اور دہلی پہنچنا، یہ سب زیادہ سے زیادہ ۷۲۴ھ کے آخر یا ۷۲۵ھ کے اوائل میں تسلیم کرنا پڑے گا، اس زمانہ میں سفر کی صعوبت اور سنار گاؤں سے دہلی تک کی مسافت کو دیکھ کر اس بیان کے تسلیم کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے اور یہ واقعہ بھی غرابت سے خالی نہیں کہ آپ نے ۷۲۲ھ تک تحصیل علوم حاصل فرماتے ہوں اور والد کے انتقال کے بعد بھی خریطہ کھولنے کی نوبت نہ آئی ہو اور اتفاق سے پہلا خط ان کے انتقال کی اطلاع ہی کا باعث ہوا ہو، ممکن ہے کہ مراجعت دہلی کا محرک محض ایک خط کے اتفاقی مطالعہ کو نہ قرار دیا جائے لیکن اتنا تو ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ۶۹۰ھ سے پہلے منیر واپسی نہیں ہوئی کیونکہ اس واپسی کے وقت پر کسی تذکرہ نگار نے بھی والدہ سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ ”مناقب الاصفیا“ (جس کی حیثیت اول ماخذ کی ہے) میں ہے :-

از اینجا قصد منیر کرد بخدمت مادر آمد	وہاں سے منیر کا قصد کیا، ماں کی خدمت میں
... ... پسر را تسلیم مادر کرد	حاضر ہوئے، بیٹے کو اس کی دادی کے سپرد کیا،
گفت این را بجائے من دانید	اور کہا کہ اسکو میری جگہ پر سمجھئے اور
مرا بگذارید ہر جا کہ خواہم بروم	مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں چاہوں جاؤں
پندارید کہ شرف الدین مرد بعدہٗ	یہ سمجھیئے گا کہ شرف الدین مرچکا ہے
طرف دہلی رفت و شیخ نظام الدین اولیا	اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور شیخ نظام الدین اولیا
دریافت[1]	رحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بہرحال آپ کی بلند ہمتی، صدق طلب اور عشق الٰہی کی دبی ہوئی چنگاری نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ ظاہری علم کی تکمیل پر قناعت کرکے منیر میں بیٹھ رہتے، اور علمائے ظاہری کی طرح محض درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے، آپ نے کمسن صاحبزادے ذکی الدین کو اپنی والدہ صاحبہ کے حوالہ کیا اور عرض کیا کہ اسی کو میری جگہ کا لڑکا

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۲ مطبع نور الآفاق کلکتہ

خاندان کا چشم و چراغ مان کر اپنے پاس رکھئے اور دل بہلائیے اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے کہ مقصودِ حقیقی حاصل کروں۔

سفرِ دہلی و انتخابِ شیخ

بہر حال [illegible]ھ کے آخر یا [illegible]ھ کے آغاز میں آپ نے دہلی کو کوچ کیا، ساتھ بھائی شیخ جلیل الدین ہمراہ تھے، اندازہ ہوتا ہے کہ قیام [illegible] کے زمانۂ تعلیم اور اپنی جودت ہی سے آپ میں معاصر علماء و مشائخ کو ناقدانہ اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی عادت اور علومِ ظاہری کے معیار پر جانچنے کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، دہلی پہنچ کر آپ نے مشائخِ وقت کے یہاں حاضری دی اور ان کو اس نظر سے دیکھا کہ کس کو اپنا خضرِ طریق بنایا جائے، لیکن جیسا کہ سوانح نگار کا بیان ہے بزرگانِ دہلی میں سے کوئی آپ کی نظر میں نہیں جچا[1]۔ مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق آپ نے سب کے ہاں حاضری دینے کے بعد فرمایا۔ "اگر شیخی است ما ہم شیخیم" (اگر یہی پیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں)، پھر سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ متاثر ہوئے، حضرت کی اور آپ کی کچھ گفتگو بھی ہوئی، آپ نے سوالات کے معقول جواب دیئے، حضرت خواجہؒ نے اعزاز و اکرام فرمایا اور پانوں کی ایک تھالی عنایت فرمائی اور فرمایا۔

سیمرغیست نصیبِ دامِ ما نیست — ایک شاہین بلند پرواز ہیں لیکن ہر جگہ
. . . . — جال کی قسمت میں نہیں ہو[2]۔

وہیں سے پانی پت آئے اور شیخ بو علی (شرف الدین) قلندر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا فرمایا۔

شیخ است اما مغلوبِ حال است — شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال ہیں، دوسروں
بتربیتِ دیگرے نمی پردازد[3] — کی تربیت نہیں کر سکتے۔

---

[1] مناقب الاولیاء صفحہ [illegible]
[2] ایضاً صفحہ ۲۳
[3] مناقب الاصفیاء صفحہ [illegible]

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

دہلی اور پانی پت سے مایوس ہو کر واپس آنے پر شیخ کے بھائی شیخ جلیل الدین نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا تذکرہ کیا اور ان کے طریق اور مناقب بیان کئے، شیخ نے کہا کہ جو دہلی کا قطب تھا (خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) اس نے ہم کو ہیچ دیکھ کر مایوس کر دیا، اب دوسرے کے پاس جا کر کیا کریں گے۔ بھائی نے کہا کہ ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھائی نے جب زیادہ اصرار کیا تو ان کی ملاقات کا ارادہ کر لیا اور دہلی روانہ ہوئے۔ وہاں اس شان سے پہنچے کہ منہ میں پان دبا ہوا تھا، کچھ پان رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ جب خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے دولت خانہ پر پہنچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی۔ اور بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ تعجب ہوا اور کہا کہ میں اس سے پیشتر بہت سے مشائخ کے ہاں حاضر ہوا لیکن یہ کیفیت کہیں نہیں ہوئی۔ جب حضرت شیخ کے پاس پہنچے اور شیخ کی ان پر نظر پڑی تو فرمایا کہ منہ میں پان اور رومال میں کچھ پان کے بیڑے اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے پان کو منہ سے نکال دیا اور ایک رعب کی حالت میں مؤدب بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی۔ خواجہؒ نے قبول فرمایا، اور داخلِ سلسلہ کر لیا[1] اور اجازت دے کر رخصت فرمایا۔

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲

بابِ دوم

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ

اور اس کے مشائخ کبار

خواجہ نجم الدین کبریٰؒ[1] شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف سر امام طریقہ سہروردیہ کے عم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۳ھ) کے خلفاء کبار میں سے ایک بزرگ ابو الجناب احمد بن عمر مشہور بخواجہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ عالم و ولی تھے۔ تصوف و طریقت میں آپ مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی روحانی رشتے سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اور اپنے مرشد کا جانشین و قائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ عوارف المعارف میں

---

[1] آپ کا لقب کبریٰ اس بنا پر ہے کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحث و مناظرہ میں مد مقابل کو شکست دیدیتے تھے۔ انکا لقب: طامۃ الکبریٰ (بڑی آفت) پڑ گیا۔ کثرت استعمال سے الطامۃ محذوف ہو گیا۔ اور الکبریٰ رہ گیا۔ (خزینۃ الاصفیاء ص۲۵۹)

مصنف کے زمانہ کے بعد سے لیکر اس وقت تک طالبین طریقت کا دستور العمل اور حرزِ جان بنی رہی۔ جب مصنف رسالہ کو شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے اس کا مطالعہ فرمایا اور قبولِ عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔

حضرت شیخ نجم الدینؒ پر توحید و فنا اور عشق و محبتِ الٰہی کی کیفیت کا غلبہ تھا۔ معارف و حقائق کے بیان میں پایۂ بلند رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے:-

سخنے در توحید و معرفت و دقائق	توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے
طریقت و حقیقت بیان عجیب گفتہ،	اصول و قواعد کے بیان میں بھی بلند پایہ
تصنیفات او بعربی و فارسی و نظم و نثر	لطیف نکتے ارشاد فرماتے۔ عربی، فارسی اور
بسیار است از جملہ تصنیفاتش تبصرہ و	نظم و نثر میں آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ انہیں
رسالہ در بیان طریق سلوک در بین	تصنیفات میں ایک کتاب تبصرہ اور ایک رسالہ
ہند مشہور است۱؎۔	طریق سلوک کے بیان میں ہندوستان میں مشہور ہے۔

صاحب مناقب الاصفیاء نے آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عشق و سرشاری کی عجیب کیفیت اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجب عالم نظر آتا ہے۔ یہاں صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ ایک غزل میں فرماتے ہیں:-

در پیچم حیرت گم شدہ ام چو گویم وصف خویش
آتشم خاکم نسیم آب دریا چیستم؟

عالمم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال
نیستم ہستم نہ ہر جایم نہ بے جا چیستم؟

۱؎ مناقب الاصفیاء ص۸۵

در نگنجد شبنم سرایان کوہ و صحرا این عجب
شبنم یا ساحلم یا کوہ و دریا چیستم

بے نشانی شد نشان و بے زبانی شد زبان
بے نشان و بے زبان گویان و بینا چیستم

دوستانم نجم خوارزمی ہمی خوانند لیک
والدو مہ پرسش وحیران تا جہم چیستم

دوسری غزل میں فرماتے ہیں۔ ؎

نہ از علوی خبر دارم نہ از سفلی اثر دارم
وطن جائے دگر دارم کہ این جا نیست آن خانہ

نہ در گنج فنا جانم نہ در کوئے بقا اقدم
خلاف عقل ما ماتم کشیدہ دل مستانہ

بہار آن جا جہان افزا بہ پیرانہ
بہ رہ خوارزمی از جلوہ ہا آمدے یار فرزانہ

چو ز آتش گرچہ چالاکم نہ از باد و خاک و آبم
چو آب از دیدہ آب پاکم جگر تشنہ بہ مستانہ

الا اے نجم گر خواہی مسلم ملک شاہی
بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مردانہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۱۸ھ کو خوارزم میں تاتاریوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے خلفاء میں شیخ مجد الدین بغدادی (مصنف مرصاد العباد کے شیخ)، شیخ سعد الدین حمویہ، بابا کمال جندی، شیخ رضی الدین علی لالا، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین گیلی اور مولانا بہاء الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مناقب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ فرید الدین عطار کو بھی آپ سے ارادت تھی۔[1]

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۹۹

ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد آپ کا طریقہ طریقۂ کبرویہ کہلاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی آٹھویں صدی میں ہندوستان پہنچا۔ ایک امیر سید علی بن الشہاب ہمدانی کشمیری (متوفی ۷۸۶ھ) کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ المزدقانی کے خلیفہ تھے اور ان کو شیخ علاء الدولہ سمنانی سے اجازت تھی اور وہ تین واسطوں سے خواجہ نجم الدین کبریٰؒ سے اجازت رکھتے ہیں۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۷۳ھ یا ۷۸۱ھ میں کشمیر تشریف لائے اور ان کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی۔ یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارھویں صدی تک سرسبز رہا، اس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب صرفی کشمیری (متوفی ۱۰۰۳ھ) تھے جو اپنے زمانہ میں حدیث و تفسیر کے ایک بڑے عالم اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکیؒ کے تلامذہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک [illegible] موجود رہا ہے۔

طریقۂ کبرویہ کے ہندوستان پہنچنے کا دوسرا ذریعہ شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی (متوفی ۶۷۷ھ) تھے جو خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے خلفاء میں تھے۔ آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، پھر کالنجر فتح کرکے وہیں قیام پذیر ہوگئے۔ آپ کے بالواسطہ خلیفہ شیخ علاء الدین حیدری (متوفی ۸۳۸ھ) تھے، ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ، سلسلۂ حیدریہ کے نام سے دکن کے بعض مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

۱؎ آپ کی نسل میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء و مشائخ اور مجاہدین پیدا ہوئے، جن میں حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی خلیفہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ مشہور ہیں، مولانا سید عبدالحیؒ مصنف نزہۃ الخواطر کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔ ۱۲

سلسلۂ فردوسیہ ہندوستان میں

اسی سلسلہ کی ایک شاخ فردوسی کہلاتی ہے۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین باخرزی تھے، اُن کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے[1] اور یہاں قیام اختیار فرمایا اور طریقۂ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ

خواجہ بدر الدینؒ کے طریقہ کی خصوصیت فنا اور اخفائے ذکر اسماء [illegible] اختیار و اختصار [illegible] ذکر تھا۔ اس وقت سلسلۂ چشتیہ ہندوستان میں قبول عام حاصل ہو رہا تھا۔ دوسرے طریقہ کی بنیاد پڑ رہی تھی جس کی قسمت میں ہندوستان کی صحبت لکھی تھا۔

---

[1] اس توجیہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو خلافت دیتے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب نے فرمایا تھا کہ "تم مشائخ فردوس میں سے ہو" لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے تو اسی کی نسبت ظاہر نہیں ہوئی تھی اور یہاں اس سلسلہ کے مشائخ [illegible] سلسلۂ کبرویہ کہلاتا ہے اس کا لقب کبرویہ ہے، جب حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے زمانہ سے یہ نام اس وقت سے اس سلسلہ کے مشائخ فردوسی کہلائے۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں کہ [illegible]

وہ لکھتے ہیں :- خواجہ رکن الدین ہست چناں آمد
کہ بر عرب و عجم [illegible] سفر [illegible]
پیران فردوسی گفتے [illegible] شجرہ [illegible]
بعد ازاں خواند فردوسی [illegible]
تو شنو [illegible] ذلک فضل اللہ
یؤتیہ من یشاء۔
(مناقب الاصفیاء [illegible])

خواجہ رکن الدین جب [illegible] میں [illegible] آئے تو
عرب و عجم میں ان کا فیض پہنچا ہے پیران طریقت کے
شجرہ کا سلسلہ جاری کیا اور مشائخ فردوسی کے
نام سے مشہور ہے۔ اس شجرہ کے [illegible]
میں اپنے سلسلہ کو اسی نام سے پکارتے ہیں اور
فردوسی کے نام سے یاد کئے گئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے
آسمان [illegible] ہے اللہ کا فضل [illegible] جس کو چاہے

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کو ایسے ہی زمانہ اور ایسے ہی ماحول میں ایک نئے طریقے کی بنیاد رکھنے کا کام کرنا پڑا جس کا مدعا کشف و وجد و سماع کا سامان کم تھا اور جس کے مشائخ اخفاء حال کو اظہار حال پر ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء جو خود فردوسی ہیں لکھتے ہیں:۔

طریقہ شطار و مشائخ حق داشت بزبان عمل	ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا جو حقیقت بیان عمل
ہمیشہ گفتے طلب علم دین لازم گیرید ہمہ جا	فرماتے تھے کہ طلب علوم دینیہ لازم سمجھا کرو
عمل کنید و عمل را خالص برائے خدا گردانید	اس پر عمل کرو اور عمل کو خالصۃً لوجہ اللہ رکھو
کہ علم بے عمل سود ندارد و عمل بے اخلاص	علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے
فرمود طالب کرامت مباشید کہ مشقت	اور کرامت کے طالب نہ ہو بندگی میں مشقت
در عبادت کرم بجوئید کہ الاستقامۃ فوق	اصل کرامت ہے۔ تذکرہ صاحب مکاشفات
الکرامۃ اما کشف بجمیع خود و مجاہدہ	بقیہ تو بعد ہندوستان میں طریقہ فردوسیہ
بنا و قواعد طریقت در ہند استوار از معارف	کی بنیاد خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ اور ان
مقبول و مشہور شد پیش از ان عوام و خواص	کے پیروؤں کے ہاتھوں سے پڑی اس سے
الا من شاء اللہ شیخی را بجز اظہار خوارق	پہلے عوام و خواص الا من شاء اللہ اظہار
و اظہار کرامت کردہ بودند معلوم است کہ	خوارق و کرامت کی بنیاد پر پیری مریدی
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ	کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین
در ہند بسیار کم مقتدایان اہل طریقت بودند چنانچہ	بختیارؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت کم
شیخ الاسلام شیخ بہاءالدین زکریا و شیخ الاسلام	محققین اہل طریقت تھے جیسے شیخ الاسلام
شیخ نجم الدین صغری و شیخ الاسلام دہلی بود	شیخ بہاءالدین زکریاؒ، شیخ الاسلام شیخ

و شیخ الاسلام خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ	نجم الدین صغریؒ جو دہلی کے شیخ الاسلام
صاحب این ذکر شیخ الاسلام شیخ	تھے، شیخ الاسلام خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ
معین الدین سجزی پیر خواجہ قطب الدین	شیخ الاسلام شیخ معین الدین سجزیؒ جو خواجہ
مذکور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین	قطب الدین بختیارؒ کے پیر تھے قدس سرہم، لیکن
اما مرجع خلق عام و خواص الا مع	ان سب بزرگوں پر رجوع خلق عوام و خواص
شاہ چنانچہ بخواجہ قطب الدین بختیارؒ	کا جو رجحان تھا خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
بود بہیچ یکے ازیں بزرگوار نبود و ایں ال	کی طرف تھا وہ ان بزرگوں میں سے کسی کی طرف نہیں
سبب بود کہ خوارق عادات و کرامات	تھا اس کا سبب یہی تھا کہ خوارق عادات
از خواجہ قطب الدین بسیار بود	کرامات کا صدور حضرت خواجہ قطب الدینؒ سے بہت ہی تھا۔

صاحب مناقب الاصفیاء مریدین کا مذاق رجحان اور ان کے طریق کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

خواجہ بدر الدین سمرقندی از دیگر مشائخ	خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ کی روش دیگر
ہندوستان جدا بود و مشائخ ہند اکثر ارباب معاملہ	مشائخ ہندوستان کی روش سے الگ تھی،
بودند و بعضے اصحاب ریاضت و مجاہدت	مشائخ ہندوستان اکثر ارباب معاملہ تھے
بودند و خواجہ بدر الدین سمرقندی طریق	اور بعض صاحب ریاضت و مجاہدت،
شطار محبانہ عشق داشت	خواجہ بدر الدین سمرقندی کا طریقہ طریقہ
. . . .	شطاریہ عشقیہ تھا . . . .
بنیاد طریق شطار بر محبت راندہ است:	اس طریقہ کا دار و مدار اختیاری فنا پر تھا
سالکان ایں راہ مخاطب بقول موتوا	اس طریق کے سالکین کا عمل موتوا قبل

قبلۂ اہل تحقیق [illegible]   [illegible] کے سوا [illegible]

[illegible] قدم بر جادۂ [illegible]   [illegible] شہباز و سلطان

[illegible] شیر مرد   تیز پرواز ہیں پہنچے ہیں قدم پر [illegible]

[illegible] قدم [illegible]   جلتے ہیں [illegible] جاں کھینچ جاتے ہیں پڑا

شیر مرد بنا ہے جو اس راہ میں قدم رکھے ورنہ پیچھے کو لوٹنا پڑتا ہے۔

خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع اور صاحب وجد و حال تھے۔ آپ نے غالباً ساتویں صدی کے آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں وفات پائی۔ سنہ وفات کسی تذکرہ میں نہیں مل سکا۔

خواجہ رکن الدین فردوسی[2]

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کے خلیفۂ خاص خواجہ رکن الدین فردوسی تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق انھوں نے بچپن سے اپنے شیخ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔ انھیں سے علم ظاہر اور طریقت کی تعلیم حاصل کی اور انھیں سے خلافت حاصل کرکے ان کے جانشین ہوئے۔ انھیں کے زمانے سے یہ سلسلہ فردوسیہ کہلایا۔ صاحب گل فردوس لکھتے ہیں:[1]

گشت از فضل خدا و مدد جد او فردوسی
گشتم از یمن طفیلش من و تو فردوسی

شیخ رکن الدین فردوسیؒ بھی صاحب وجد و حال تھے۔ ان کا بھی انتقال ساتویں صدی کے آخر میں

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۳

[2] خزینۃ الاصفیاء میں سنہ وفات [illegible] دیا گیا ہے۔ مصنف نزہۃ الخواطر کی تحقیق کے مطابق یہ لائق اعتماد نہیں ان کی وفات اس سے پہلے ساتویں صدی میں ہو گئی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۱ ۔ ۱۰۹)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں ہوا۔[1]

خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ

خواجہ نجیب الدین فردوسی شیخ عماد الدین دہلوی کے صاحبزادے اور خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ اور خلیفہ تھے۔ زندگی بھر اپنے شیخ اور عم امجد کی خدمت میں رہے۔ پھر اُن کی وفات کے بعد ان کے سجادہ کو آباد رکھا اور سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور استحکام اور توحید و عشق الٰہی کی تبلیغ و اشاعت عام کیلئے ایک ایسے محقق مجتہد فی العلوم اور باکمال طریقت کی تربیت کی جس نے نہ صرف ان کے پیران عظام کے نام کو زندہ و تابندہ رکھا بلکہ نصف صدی سے زائد تک مشرقی ہندوستان کو اپنے روحانی فیض اور حرارت عشق سے گرم و معمور رکھا۔ اور اپنی تحقیقات عالیہ، مقامات عالیہ اور علوم نادرہ کی بنا پر بعض اوقات یہ دلائی خواجہ فرید الدین عطارؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی یاد تازہ کردی۔ صاحب مناقب الاصفیا اُن کے متعلق لکھتے ہیں:-

اختیار گم نامی داشت از شہرت اجتناب	گمنامی کو اپنے لیے پسند فرمایا تھا۔ شہرت
شہرت بسیار بود اولیائی تحت قبائی	اور اسباب شہرت سے پرہیز تھے اولیائی تحت
در میان او مسلم بود	قبائی (اولیاء اللہ) کی مثال ہو گئے ایسے مستور
مریدان اہل صحبت نداشتی مولانا	ہو گئے تھے کہ سوائے چند لوگوں کے کسی کو اُن کی خبر

---

[1] خزینۃ الاصفیا اور کئی تاریخ تحریر میں نہیں ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسی کا سنہ وفات بالاتفاق ۷۳۲ھ ہے اور یہ بات خلاف قیاس ہے کہ وہ اپنے خلیفہ و جانشین کے بعد ۵۰ سال تک زندہ رہے ہوں اور حضرت شیخ شرف الدین احمدؒ ان کو چھوڑ کر اُن کے خلیفہ سے بیعت کی ہو۔ اعلیٰ صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں ہوا۔

عالم بن علاء[1] جامع فتاوی تاتارخانی کے — نہیں ہوتی ان کی شان تحریر انکے رہے ہیں
اثر بیان وہ ہے بہ نظم ہائے باصفا ہو۔ — میں بُجھے نجے جو حرف اور محقق تھے ہوا
مناقب خواجہ نجیب الدین فردوسی ہیں[2] — عالم ابن علاؒ فتاوی تاتارخانی کے مؤلف
مستور ہو رحمۃ اللہ علیہ۔ — انکے مرید تھے جن کا مقام فضلیں آن کے
قلم سے لکھ دیا خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے تمام کمالات بیدہ تحقیق کے۔
رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] اس سے مراد مولانا فرید الدین عالم ابن علا حنفی اندرپتی ہیں یہ فتاوی تاتارخانیہ ۷۷۷ھ میں تصنیف کیا۔ پہلے اپنے دوست امیر کبیر تاتارخان کے نام سے موسوم کیا۔ فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ اسکے نام سے موسوم ہو مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ وفات غالباً ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر حصہ ثانی

[2] مناقب الاصفیاء ص ۱۲

* * *

۳

باب سوم

مجاہدہ خلوت قیام و سکونت

اور

ارشاد و تربیت

دہلی سے واپسی

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ نجیب الدین فردوسی نے بیعت کرنے کے بعد تحریری اجازت نامہ بھی حوالہ کیا۔ شیخ شرف الدین نے عرض کیا کہ مجھے تو ابھی خدمتِ اقدس میں کچھ روز رہنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا، اور میں نے سلوک کی تعلیم بھی ابھی جناب سے حاصل نہیں کی ہے، اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برآ ہو سکوں گا؟ خواجہ نجیب الدینؒ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارۂ غیبی سے ہوا ہے اور اس کی تربیت نبوت کی طرف سے ہوگی، اس کے بعد ان کو رخصت فرمایا اور کہا کہ:

"جب راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہونا"

چنانچہ ایک ہی دو منزل طے کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات کی اطلاع ملی، آپ حسبِ ہدایت

سفر جاری رکھا اور منیر کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

شورشِ عشق

آپ خواجہ نجیب الدینؒ سے رخصت ہوئے تو دل پر ایک چوٹ سی تھی، عشقِ الٰہی کی حرارت رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی، فرماتے ہیں:۔

سر چو پیچیدم ز خواجہ نجیبؒ فردوسیم	میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے
حزنے در دل من نہادہ شد ہر روز	ملا ایک حزن اور درد میرے دل میں بیٹھ گیا
آن حزن زیادہ می شد	جو دن بدن بڑھتا ہی جاتا رہا۔

جب آپ بہیا[3] پہنچے اور وہاں کی جگہ مانوس تھی تو دل میں ایک ہوک اٹھی اور صبر و ضبط کا یارا نہ رہا، گریباں چاک جنگل کی راہ لی اور روپوش ہو گئے۔ بھائیوں اور سفر کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا مگر سراغ نہ ملا، آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدینؒ کے تبرکات لے کر واپس آ گئے، اور یہ سب چیزیں والدہ کے حوالے کیں۔[4]

راجگیر کے جنگل میں

منقول ہے کہ آپ بارہ برس تک بہیا کے جنگل میں رہے، کسی کو خبر نہ ہوئی، اسکے بعد آپ راجگیر[5] کے جنگل میں بھی دیکھے گئے لیکن کسی کو ملاقات

---

[1] مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۳۲ و صفحہ ۱۳۳

[2] " " صفحہ ۱۳۳

[3] بہیا منیر سے تقریباً بیس میل بمغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہے۔ اس وقت ای۔ آئی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ [4] مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۳۳

[5] تذکرہ منظر گزیٹیر میں لکھا ہے:۔ راجگیر کے پہاڑ دو قطاروں کی شکل میں تقریباً مغربی سمت کو کھنچے گئے ہیں جن کے درمیان ایک تنگ وادی ہے جس کو جگہ جگہ نالے اور درے قطع کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ جو کسی جگہ ہزار فٹ سے زیادہ
(بقیہ صفحہ ۱۹۸ پر)

کی نوبت آئی۔ یہ پہاڑ اور جنگل ہر زمانہ اور وقت کے مرتاض بزرگوں کا گوشۂ عزلت رہا ہے اگر آپ بہت پہلے بھی یہ جگہ یہاں جوگی کر دھیان میں جایا۔ جس وقت مخدوم صاحب یہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے اس وقت چند جوگی بھی جا بجا خلوت نشین تھے۔ کتابوں میں ان چند جوگیوں کے ساتھ آپکے متعدد مکالمے منقول ہیں۔ راجگیر میں ایک گرم جھرنے سے متصل آپ کا حجرہ اب بھی موجود ہے اور مخدوم کنڈ کے نام سے بھی ایک جھرنا مشہور ہے۔

یہ بارہ برس کا عرصہ ریاضات و مجاہدات، خلوت و مراقبہ، تحیر و سرگشتگی اور بیخودی و مدہوشی میں گذرا، جنگل کی پتیاں غذا کا کام دیتی تھیں۔ اس زمانہ کی ریاضتوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی زاہد سے فرمایا کہ "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا۔ لیکن شرف الدین کو کچھ نہ ہوا۔" آپ کے بیان کئے ہوئے ایک واقعہ اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور محنت شاقہ پر زیادہ مطمئن نہیں تھے۔ غسل کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے جس میں آپنے عزیمت کے خلاف سمجھتے ہوئے شریعت کی اجازت پر عمل نہیں کیا تھا۔ سخت سردی میں ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ فرمایا کہ اس بلا ضرورت مشقت کو ظلمت پیدا

---

(۱) کا علاقہ جا بجا بلند نہیں ہیں عظیم الشان چھ پہاڑوں سے مرکب اور گھنی جھاڑیوں سے مزین ہیں اور ایک تاریخی اہمیت بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔ . . . .

جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ چینی سیاح ہیونگ سیانگ (HIVEN TSIANG) نے جو کپوتیکا (KAPOTIKA) پہاڑی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے۔ گرم جھرنے یہاں بہت ہیں۔ . . . .

ڈاکٹر بکینن ہملٹن (BUCHANAN HEMILTON) کہتے ہیں کہ راجگیر ہی راجہ جراسندھ کا مسکن تھا اور قدیمی مگدھ کا پایۂ تخت تھا۔ نیا راجگیر ڈسٹرکٹ سے ۱۴ میل پر پٹنے شہر سے واقع ہے۔
(سیرۃ الشرف باختصار صفحہ ۲۵)

کہ اس دن ظہر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔

بہار کی سکونت اور خانقاہ کی تعمیر

اسی زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک خلیفہ اور ہمنام مولانا نظام بہار میں رہتے تھے جو مولانا نظام مولی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ راجگیر کے جنگل میں گئے اور مخدوم صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان کو بھی ملاقات کا شوق ہوا۔ انھوں نے اور ان کے بعض معتقدین نے جا کر ملاقات کی اور وقتاً فوقتاً جنگل میں جا کر مخدوم صاحبؒ سے ملتے۔ مخدوم صاحبؒ نے ان کی طلب صادق اور اخلاص کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ جنگل خطرناک ہے، مجھے تمہارے آنے سے فکر پیدا ہوتی ہے، تم لوگ شہر ہی میں رہو، میں جمعہ کے دن شہر آجایا کروں گا اور جامع مسجد میں ملاقات ہو جایا کرے گی۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ مخدوم صاحبؒ جمعہ کے دن تشریف لاتے اور ایک گھڑی مولانا نظام الدین مولیٰ کے دوسرے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو واپس چلے جاتے تھے۔ ایک مدت اس طرح گزر گئی تو ان معتقدین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی جگہ بنانی چاہئے جہاں آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر کچھ دیر استراحت فرمایا کریں، چنانچہ بیرون شہر جہاں اب آپ کی خانقاہ واقع ہے انھوں نے دو چھپر ڈال دیئے۔ جب آپ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے، اس جگہ دوستوں کے ساتھ تشریف فرماتے اور کبھی ایک دو روز شہر بھی رہ جاتے۔ اس کے بعد مولانا نظام الدینؒ نے مجد الملک حاکم بہار سے اجازت لے کر اپنے حلال رزق میں سے ایک پختہ عمارت بنوا دی۔ جب وہ عمارت تیار ہوئی تو وہاں آپ نے ایک محفل کی جس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے متوسلین شریک ہوئے اور انھوں نے مخدوم صاحبؒ سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے سجادہ کو زینت بخشی اور مولانا نظام الدینؒ اور حضرت خواجہ

---

[1] سیرۃ الشرف ص [illegible]

کہ مریدین کی طرف متوجہ کرکے فرمایا کہ:-

"دوستو! تمہاری نشست و برخاست نے مجھے اس حجرت خانہ میں بٹھایا۔"[1]

یہ واقعہ ۷۲۰ھ اور ۷۲۵ھ کے درمیان پیش آیا۔[2] یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہدِ حکومت ہے۔ ۷۲۵ھ میں سلطان محمد تغلق اپنے والد کا جانشین اور سریر آرائے سلطنت ہوا۔ سلطان کو مشائخ کو مریدوں اور اہل قرب کو گوشۂ عزلت سے باہر لانے اور اپنے خیالی طریقے پر خلقِ خدا کی خدمت میں لگانے پر آمادہ کرنے کا بڑا اشتیاق تھا، اور اس میں وہ بڑا اساعی مبالغہ کرتا تھا۔ اسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت شیخ ابو نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو لشکر شاہی کی معیت پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہؒ کے دوسرے معتقد مولانا فخر الدین زرادیؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ وغیرہ کو منبر دلی پر چڑھ کر تقریر کرنے اور جہاد کی ترغیب دینے پر مجبور کیا۔ شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ کو ان کے زاویۂ خلوت سے نکال کر دہلی طلب کیا۔[3] جب اس کو بہار کے ذریعہ اطلاع ملی کہ مخدوم صاحبؒ سالہا سال جنگل میں رہے اور خلائق سے انقطاع رکھنے کے بعد شہر بہار میں تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو اس نے مجد الملک صوبہ دار بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے اور پرگنہ راجگیر نذرانہ خانقاہ کے خرچ کیلئے ان کے حوالے کیا جائے، اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے۔ اس کے ساتھ ایک

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۲

[2] مولوی سید ظہیر الدین احمد مصنف سیرۃ الشرف نے بہت سے قرائن اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مخدوم صاحب کی سکونت پذیری کا زمانہ انہیں سنین یعنی ۷۲۰ھ اور ۷۲۵ھ کے تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرۃ الشرف ص۱۸)

[3] تفصیل اس کی کتاب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے باب ششم میں گذر چکی ہے۔ ۱۲

مصلّےٰ بخاری کی خدمت میں بھیجا۔

جب یہ فرمان شاہی مجد الملک کو پہنچا تو وہ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ میں اس کی تعمیل نہ کروں، لیکن اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری حکم عدولی اور کوتاہی پر محمول کیا جائے گا اور بادشاہ کا طیش سب کو معلوم ہے، خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مخدوم صاحبؒ نے جب مجد الملک کی مجبوری کو ملحوظ فرمایا اور اس کا اصرار دیکھا تو بدل ناخواستہ اس کو قبول فرمایا لیکن سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو آپ نے جاگیر سے قطع تعلق فرمایا۔ خانقاہ کی تعمیر شروع ہو گئی اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔ سیرۃ الشرف میں ہے :-

> "خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی، مجد الملک نے تمام لنگر خانہ اور اسباب تصرف اور پیالہ و چمچ نقرہ انگیزی دعوت کی، شروع مجلس سے سو تنکہ کا تکے میں سب ہوتا رہا۔ ایک مقام علیحدہ جس میں ایک حجرہ اور ایک دالان تھا مخدوم کے لئے درست کیا گیا تھا اور وہی مصلّے بخاری جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بچھایا گیا۔ مخدومؒ اس پر تشریف لے گئے۔ ایک مسافر درویش جو مجلس میں حاضر تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر مخدوم کے حجرہ میں آیا۔ مخدومؒ اس کی جانب مخاطب ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ یہ منزل اور مقام تمہارا ہے، میں تو مجد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعت اولی الامر سے چارہ نہیں ہے اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو سلام کے لئے آیا نہیں بیٹھا جاتا کہ مصلّے کے لائق ہو جاتا۔"

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۵

اس فقیر نے کہا:-

"مخدوم! تم ترک تھے اور مغلی کی وجہ سے کوئی نہیں پہچانتا ہے، تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے، ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قربت باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔"

مخدومؒ نے فرمایا کہ:-

"جو فقراء کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔" اور یہ مصرع پڑھا۔ ؎

"آں را کہ خود سلطاں بود او ہرچہ گوید آں بود"

افادہ و ارشاد

گویا کہ ۷۲۲ھ سے لیکر ۷۸۲ھ (جس میں آپ کی وفات ہوئی) نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گذرا۔ شیخ حسین معز شمس بلخی کے بقول اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم و بیش سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے۔ متعدد ہندو فقیروں اور مرتاض جوگیوں کے قبول اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہنچنے کے واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی، اہل عقیدت و اہل طلب ان مجالس میں شریک ہوتے، جن لوگوں کو کوئی بات دریافت کرنی ہوتی وہ دریافت کرتے اور جواب شافی پاتے۔ ان مجالس کا کوئی مستقل و متعین موضوع اور ان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالتا ارشاد فرماتے، یا کسی بات کے فرمانے کی کوئی مناسب تقریب یا تحریک پیدا ہوتی تو حسب حال کچھ فرماتے۔ یہ مجالس بڑے گہرے معارف و حقائق اور تصوف کے

دقیق نکات و لطائف پر مشتمل ہوتی تھیں۔ زین بدر عربی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں "معدن المعانی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"در ہر مجلسے کہ اتفاق افتادے طالب صادق
و مریدانِ راسخ و جمعے کہ بموافقت کردے تا
بودندے ہر کسے در خور حال و کار خویش
سوالے از طریقت و التماس بیانے از
شریعت درخواستے اظہارے از حقیقت
و طلب اظہار رموز معرفت عرض داشتند
بندگی مخدوم نامور شیخ دین پرور در
مقابلہ سوال سائل جواب شافی و بیان کافی
بعبارات لطیف و اشارات بے نظیر
ارزانی می داشت از ہر عبارتے صد
معانی غیبی مستفاد و از ہر اشارتے ہزار
لطیفۂ لاریبی مراد از ہر معنی تعبیرات
بے نہایت و از ہر لطیفہ ادراکے بے غایت
و از ہر تعبیرے حالات بے شمار و از ہر ادراکے
مقامات بسیار از ہر حالتے ذوقے کہ
آں را احتمال بیان نشود و از ہر مقامے
خبرے کہ در جہان نشان نگنجد۔

ہر مجلس اور ہر موقع پر طالب صادق اور
مریدین راسخ الاعتقاد اور حاضرین مجلس
جو مناسبت رکھتے تھے وہ طریقت کے
بارے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی
تعبیر کی وضاحت کی درخواست کرتے اور
معرفت کے اسرار و رموز سننا چاہتے تھے
حضرت مخدوم ہر سائل کو جواب شافی
مرحمت فرماتے اور بڑے دلپذیر طریقے پر
اس کی تشفی کرتے۔ آپ کے ارشادات
بڑے بڑے لطیف نکات اور بڑے
قیمتی فوائد و لطائف پر مشتمل ہوتے، ہر
سائل اور سوال کے حسب حال ایسی تقریر
فرماتے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا
جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا اور
ایسے مقامات کا پتہ چلتا جن کی
اس محدود عالم محسوسات میں
گنجائش نہیں۔

قطعہ

نشان اہل خدا را بجو بدیدۂ پاک کہ آفتاب شناسی ببے بصر نرسد
بہ بیں دگر شہ لامت بدیدگان ناپاک زبان تپ زدہ را طعم نیشکر نرسد

بعض مرتبہ وفیات یا تصوف کی کتاب بھی مجلس میں پڑھی جاتی۔ مخدوم ایک ایک مشکل کی تشریح فرماتے، فقہ، اصول حدیث، تفسیر، تصوف، سب پر گفتگو ہوتی، اہل مجلس بالخصوص اہل علم استفادہ کرتے۔

ارشاد و تربیت کا دوسرا ذریعہ (خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو کسی اور بستی میں ہوتے) آپ کے مکتوبات تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ ان کے مکتوبات ایک زندۂ جاوید کارنامہ اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ شاید کسی نے اپنے عصر اور زمانہ پر تحریر سے اور خطوط و مکتوبات کے ذریعہ اتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اصلاحی یا وسیع اصلاح و تربیت کا کام نہیں کیا، جیسا کہ آپ نے، نہ صرف تصوف کے ذخیرہ میں بلکہ علوم و معارف، نکات و لطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص امتیاز رکھتا ہے، اور اپنی تاثیر، اسلوب و انشاء کی قوت، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہوں گی۔ ان مکتوبات نے حضرت مخدومؒ کے زمانہ میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ بھی جن کے نام اصالۃً یہ خطوط لکھے گئے تھے، صدہا اشخاص نے ان سے شیخ کامل و محقق کے فیضان و تربیت کا فائدہ اٹھایا۔ حضرت مخدومؒ کی وفات کے بعد ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و تقریر کی، اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان میں ایسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے، اور ابھی ان کے الفاظ تیر و نشتر کی طرح دل کے پار ہو جاتے ہیں۔

باب چہارم

صفات وخصوصیات

فنائیت آپ کی سب سے نمایاں صفت جو آپ کا مزاج و مذاق بن گئی تھی اور جس کے باعث ہی آپ بالکل بے اختیار سے تھے، وہ صفت عبدیت اور فنائیت ہے جو مجاہدہ و ریاضت کے اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طریق کے بلند ترین کمالات میں سے ہے۔ آپ کے مکتوبات کے لفظ لفظ اور آپ کے ارشاد کے حرف حرف سے اسی کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا:۔

”آخرا عجب تنا ہی“

سلسلۂ کبرویہ کے مشائخ کا یہ شعار خاص اور امام طریقہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی یہ میراث تھی جس کے آپ پورے طور پر وارث ہوئے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک موقع پر شاگرد جمع تھے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا۔ جب آپ کی باری آئی تو فرمایا کہ:۔

”آرزوئے من آنست کہ نام من	میری آرزو یہ ہے کہ خدا اس دنیا
خدا دریں جہاں باشد و نہ	میں میرا نام و نشان نہ رہنے دے۔

دراں جہاں[1]	اس دنیا میں

اس فنائیت و بے نفسی کا اظہار آپ کے اس فقرے سے ہوتا ہے:—

"ہمہ تلبیس شیطانی ما عوام ما از خود خبرے نہ از اسلام اثرے"[1]

ایک مکتوب میں اپنے عالی نژاد پیر زادہ حسام کی شرافت و فضیلت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ

سراسر اپنا حال اور اپنی کیفیت کا اظہار ہے فرماتے ہیں:-

"گفتۂ ما رانیست کہ حق تم خفا کرہ	ہمارا یہ کہنا ہو کہ خدا کی قسم بھی وفا کی قسم
آواز سے نزدیک خدائے تعالیٰ محبوب تر	خدائے تعالیٰ کو اپنے آپ پر رونے کی آواز سے
از آواز نوحہ کردن بر خویشتن نیست بیہ	زیادہ کوئی آواز پیاری نہیں ہے جب ہے
مر زنشاید کہ تصدیقات این ما فنا کی	کہ تم اس کام کے مصداق اور دین کے پیشوا
دین نوحہ گری آنجواجہ اویس قرنی	یعنی ان خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے
رضی اللہ عنہ بیاموزند شیخ مرا دہر کہ	سیکھیں۔ اے بھائی جو کوئی ہر لحظہ اپنے
او را ہر لحظہ بر خویشتن ماتم و زاری	آپ پر ماتم اور آہ و زاری نہیں کرتا وہ ایک
نیست مردہ ایست پر از غفلت	مردہ ہے جو قیامت تک غافل ہو اور ایک گنوار
بقیامت مرنا ریست پر تم حسرت، این جیم	جس کا دل حسرت سے بھرا ہوا ہو یہ کیا جھوٹی
طمع ما زما سمال است کہ ابیر تیر گیسے ما	تمنا ہے کہ ہم آج بھر میں اس کا سودا ہو
انا مرد است جاہ و حشمت انداز امرود	ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال
نیی نی بنیدہ عزت ماز تنہائی باید و عزت	ہونا چاہیے اور ہمارے احکام کو امر ہونا

---

[1] مناقب الاصفیا ص

رہنا چاہئے کہ علی الدوام کی پیروی یہ   نفاذ ہونا چاہئے اور بیرونی نظر سے
آشنائی با حضرت خداوندی باید   ہونا چاہئے لیکن عزت اور اس کا الٹا ہونا چاہئے
اور پھر اس نسبت کے ساتھ عداوت و تحقیر کے ساتھ تو آشنائی بھی ہونی چاہئے مسلمان گمراہ کی۔

رباعی

جانا بانگ وصل او دستان زدند   بیرون ز قدح شرح بستان زدند
آن جا کہ ہمی ہمی مردان نوشند   یک جرعہ آنان بجوید پرستان زدند

ایک دوسرے مکتوب میں جس میں خود شکنی اور نفس دشمنی کی نصیحت فرمائی ہے وہ سراسر اپنا حال اور اپنی تصویر ہے اور یقیناً یہ مکتوب اس مرتبہ کمال پر پہنچنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ مردان خدا اور کاملین طریق خود کسی مقام پر پہنچے بغیر اس مقام کی دعوت کو نفاق اور لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

چوں حلقہ بدر زنی و بردر آئی خاک   جب تو اپنے یا اپنے مولیٰ کے دروازہ پر حلقہ زنی
باید بود در نظر ہمہ ہمچو خاک باید بود اگر   ہے اور اس کا حال تو یہ ہے کہ تو خاک کی طرح ادب
ہزار نامہ شکار زیر سر تو چیز ہو گمانی   تمام رسالوں کے پاک صاف ہو جانا چاہئے اگر تو
ور نگ بے نوائی کو خاک زادہ اصلی ہست   ہزاروں نامہ شناس بھی اپنے سر پر نہ رکھے
چوں گوہر گردی کہ بر روئے خورشید آب   لیکن جو خاک کی اصلیت ہے ایسی جیسے گلاب
برخیزد و از رنگ ہوئے آب برخیزد   اور رنگ بیتابی اس کو آیا کرے گا اگر چہ

اگر پہاڑ بھی ہو کہ جیسا کہ یہ پانی کے دھل جانے کر لے لیکن اصل رنگ بے پانی کے اصل نہیں ہو سکتا۔

---

۱ مکتوب پانزدہم   ۲ مکتوب بست و ہفتم ۱۲

ایک دوسرے مکتوب میں لطیف اشارہ وکنایہ کے ساتھ صاف اپنی ہی طرف منسوب کرکے اپنی بدحالی کا شکوہ اور ماتم فرماتے ہیں :۔

سادہ دلان و کوشان را گرفتگان دنیا	ہم شامت زدہ صاحب ہوا و ہوا آلودہ ہوکر
واسیر عادتیم و رسم و رواج ہمہ تقلیدیم	دنیا کے بندے اور خواہش وعادات کے قیدی اور
جز عادت پرستی کارے نہ داریم	تقلید کے پابند ہیں ہمارا کام عادت
غفلت گری شعار ماست با وجود آن	پرستی کے سوا کچھ نہیں اور غفلت کیشی
دین ورزیدن و دعوی توحید کردن از	ہمارا شعار ہے ہمارا ان اعمال کے ساتھ
بے باکی و ناحیائی است یہود و ترسا	دین پر چلنا اور توحید کا دعوی کرنا بے حیائی اور
وکلیسا و بتخانہ را از ما ننگ است	انتہا درجہ کی دیدہ دلیری ہے ۔ یہودیوں اور

آتش پرستوں کو اور کلیسا اور بتخانہ کو ہم سے شرم آتی ہے۔

آپ سے جو مناجات منقول ہے وہ آپ کی دونوں کیفیت کی پوری ترجمانی اور آپکے جذبات اور احساسات کا سچا مرقع ہے فرماتے ہیں :۔

خالقا بیچارہ ام راہم نما	ہیچم و بے تکیہ بر درگاہ ترا
نے تنے نے دولتے نے جاہے	نے توانے نے قرارے نے دلے
دین ز دستم رفت دنیا گم شدہ	عمر رفتہ ماندہ معنی گم شدہ
من نہ کافر نے مسلمان ماندہ ام	درمیان ہر دو حیران ماندہ ام
نے مسلمانم نہ کافر چون کنم	ماندہ سرگرداں ومضطر چون کنم

لہ مکتوب ۲۰۳

یارب اشکِ آہ سیلابم بس است   گر تمامم ہیچ ایں بابم بس است
ہم تنِ زندانم آلودہ شد   ہم دلِ مانند کشتم فرسودہ شد
ماندہ ام در چاہ و زنداں پائے بست   در چنیں جا ہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن از ما و ہم جانِ من   پس بحق مرد اشکِ من زندانِ من
گرچہ ہیں آلودہ در راہ آمدم   عفو کن گرچہ من ز چاہ آمدم

اس فنائیت کا تکمیلی و لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذم خلائق آپ کے حق میں یکساں تھے۔ جیسا کہ خود جناب فرماتے ہیں اور در حقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں۔

اہلِ معرفت را ز مدح و ذم و قدحِ خلق	اہلِ عرفان کو مخلوق کی تعریف، مذمت اور ہجو
ہیچ زیاں آید نہ سود ایشاں را ہیچ وقت	و تردید سے بھلا کیا نقصان ان کے نزدیک
خلق ہر دو یکے است۔ نہ ممدوحِ خلق	تو مخلوق کی مدح و ثنا بیجا ہے اچھا نہیں
ممدوح است نہ مذمومِ خلق مذموم است	جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور برا وہ کیا
ممدوحِ حق ممدوح است و مذمومِ حق	جو مخلوق کے نزدیک برا ہے بلکہ ممدوح وہی ہے
مذموم است۔	جو حق تعالیٰ کا ممدوح ہے اور مذموم

وہی ہے جو حق تعالیٰ کا مذموم ہے۔

کسی فارسی کے قدیم شاعر نے گویا آپ ہی کے متعلق کہا ہے ؎

گرفتار بکمندِ خوبرویاں
ندارد دعوتِ خیر داروئے ازدم

اس نیستی و از خود رفتگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ مقبولین بارگاہ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہو اسکی بنا پر آپ سے کرامات و خوارق کثرت سے سرزد ہوتے تھے، لیکن اپنے اس مزاج و حال کی وجہ سے

اظہار سے بڑا تنفر تھا اور کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے آپ کے مرتبہ و مقبولیت عنداللہ کا اظہار ہو۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ اکثر کارہائے وے مبنی بر خرق عادت و کرامت بود اما از اظہار آں کرامت بیزار بود و شکستگی بسیار ظاہر کردے اگر کسے استمداد کارے و حاجتے خواستے حوالہ میران جلال الدین کردے"[1]

اگرچہ آپ کے کاموں کا مدار خرق عادت اور کرامت پر تھا لیکن آپ کرامت کے اظہار سے بیزار تھے اور شکستگی اور عاجزی ظاہر کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کام یا کسی حاجت کیلئے مدد طلب کرتا تو اسکو میران جلال الدین کے سپرد کر دیتے۔

یہ وہ دور تھا جس میں بزرگوں کی کرامات و خوارق کا گھر گھر چرچا تھا اور عوام انھیں کو خدارسیدگی اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی کچھ مری ہوئی مکھیاں لیکر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ مشہور و منقول ہے کہ :۔ الشیخ یحیی و یمیت ۔ شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے آپ حکم دیجئے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں ؟ آپ نے فرمایا کہ میں خود درماندہ ہوں دوسرے کو کیا زندہ کروں گا ؟

علوِ اخلاق

صوفیائے کرام کے اخلاق مشکوٰۃ نبوت کے نور سے فیضیاب اور مستنیر ہوتے ہیں اسلئے ان حضرات کے اخلاق اسی ذات گرامی کے اخلاق کا پرتو ہیں جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ :۔ انک لعلی خلق عظیم۔ صاحب مناقب الاصفیاء

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۱۲

نے لکھا ہے کہ اخلاقِ شیخ شرف الدین مانند اخلاقِ نبی بود[1]

آپ کے نزدیک اخلاقِ نبویہ سے آراستہ ہونا اور سیرتِ نبوی کے سانچے میں ڈھلنا جتنا ضروری تھا اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات کے ان اقتباسات سے ہوگا۔ در حقیقت یہ خود آپ کا حال تھا جس کو ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا جا رہا ہے:۔

"روا این اخلاق است در طریقت	اور یہ اخلاق ہی تو طریقت
شعار ارباب علم گشته که در همه حال	میں اہل علم کا شعار بن گیا ہے کہ وہ اپنے
اتباع شریعت ارند و اخلاق نبوی را	احوال میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور
بر محک سنت امتحان کنند و هر که	اخلاق کو سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور
در شریعت محقق نباشد وے را از	جو شریعت کی تحقیق نہیں کرتا اسے
طریقت هیچ فائده نبود[2]	طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

هر که بمتابعت شرع راسخ تر باشد خوی تر	جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا زیادہ
و هر که نیکو خلق تر بدرگاه خدا عزیز تر	راسخ ہوتا ہے اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہوتا ہے اور جتنا
چون خلق نیکو میراث آدم است و تحفه	خوش خلق زیادہ ہوتا ہے بارگاہِ خداوندی میں
خداوند عالم است که بحبیب خود کرده است	محبوب زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اچھا اخلاق آدم
از بهر هیچ پیرایه زینت نباشد مومن را	علیہ السلام کی میراث اور خداوند عالم کا
نیکوتر از خلق نیک و اصل خلق نیکو انصاف"	کا تحفہ ہے اس لئے مومن کے لئے اچھے اخلاق

---

[1] مناقب الاصفیاء ص

[2] مکتوب پنجاہ و نہم۔

فرمانِ خداوند است و متابعت شریعت محمد
رسول صلی اللہ علیہ وسلم و تتبع
حرکات و افعال سید کائنات علیہ
افضل الصلوات و التسلیم
محبوب و پسندیدہ بود و است ہر کہ متابعت
مے دارد باید کہ در معیشت چنان
زندگانی کند کہ او کردہ استؐ ۔

بڑھ کر کوئی اور اچھا طریقہ اور زیب و زینت
کی خبر نہیں ہے اور اچھے اخلاق کی حقیقت
خداوند تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی
کرنے ہی میں ہے کہ سید کائنات علیہ افضل الصلوات
والسلام کے تمام افعال و حرکات ہمیشہ
خلق و خالق کے نزدیک پسندیدہ رہے
ہیں۔ اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اُسے
چاہیئے کہ اپنی زندگی اسی طرح گذارے جس طرح آپ نے گزاری[1]

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے اس اخلاق میں بھی کامل اتباعِ نبوی کی پوری پوری کوشش کی اور آپ کے اخلاق خلقِ خدا کے ساتھ برتاؤ اس کے حال پر رحمت و شفقت مخلوق کے عیوب کی پردہ پوشی اور بندگانِ خدا کی دلجوئی و دلداری میں آپ صاحبِ خلقِ عظیم کے ایک صحیح اور اخلاقِ نبوی کا ایک نمونہ تھے۔

رحمت و شفقت آپ بڑے نرم دل، بندگانِ خدا کے حق میں بڑے کریم و شفیق، دوست پرور اور دشمن نواز تھے۔ عارف اور مردِ خدا کا مقام و طریقِ زندگی بیان کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی سچی تصویر ہے، فرماتے ہیں:۔

رحمت و شفقت او بیحد تا بدور و نزد
اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر

---

[1] مکتوب پنجاہ و نہم ۱/۶۰

بخلق دهد خود نپوشد بخلق پوشاند بر جسم
در بلا و تنگی و رنجہا ایشان رحمت بود
شیخ ظالم خو بود جفا را بوفا پیش آید
دشنام را بدعا و ثنا مقابلہ کند ای ولی
از جمیعت از سیر آن کہ نفسے محفوظ
است از ساحت دل ہمہ جزا براحت
برخلق نور زدہ او در شفقت چون آفتاب
بر دشمن چنان تابد کہ بر دوست در تواضع
چون زمین بود ہمہ خلق پایے بر وے نہند
و او را با کس خصومت نہ دست تصرفے
از خلق کوتاہ بود ہمہ خلق عیال وے بود
او عیال کس نبود در سخاوت چون دریا
بر دشمن ہمچنان بخشد کہ دوست را
عین رحمت شدہ بر کافہ خلق شرق
و غرب دنیا کہ آزاد او بود ہرچہ ہست
از ہمہ ہست نزدیک او ہمہ شی ہیچ بود
دہر عزیزے را از جزائے شیخے را
ہمچنین خلعتے پوشاند ہر کہ بیند
صفت ہمین ندا در طریقت چنین

کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا ہے لوگوں کو کھلاتا
ہے خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہناتا ہے لوگوں کے
اسے جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی طرف نگاہ
نہیں کرتا اور اُن کے ظلم کو نہیں دیکھتا۔
اپنے پر ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے جفا
کا بدلہ وفا سے دیتا ہے گالی کا جواب
دعا و ثنا سے دیتا ہے تو جانتا ہے کہ سبب
کچھ کیوں کرتا ہے؟ اسلئے۔ وہ محفوظ ہے
اسکے دل کی فضا سے دور ہے با راحت
کہ خلق پر کوئی سوا نہیں چلتی ہو وہ شفقت
میں آفتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح وہ دوست
پر چمکتا ہے اسی طرح دشمن پر چمکتا ہے۔
تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام
مخلوق اُس پر پاؤں رکھتی ہے وہ کسی
کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتا مخلوق پر
دست درازی کرنے سے اس کا ہاتھ کوتاہ
ہوتا ہے تمام مخلوق اسکی عیال ہوتی ہے
لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا سخاوت میں سمندر
کی طرح ہوتا ہے دشمن کی اُسی قدر مدارات کرتا

قدس سرہٗ[1] لکھتے ہیں   جس قدر دوست کو مشرق و مغرب کی
جملہ مخلوقات پر رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے کیونکہ وہ آزاد ہو چکا ہے۔
جو کچھ دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اُسی ذات پاک سے منسوب سمجھتا
ہے) اُس کی آنکھ (اس طرح کی آنکھ ہوتی ہے) اسکے وجود کے اجزاء
میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے، اور جب ان
اوصاف سے موصوف ہو اُس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام
حاصل نہیں ہوتا۔

اس رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندۂ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے شیخ سعدیؒ کے اس مقولہ پر عمل رہا ہے کہ:- " آزردن دل دوستان جہل است و کفارۂ یمین سہل "۔

ایک مرتبہ آپ نفل کا روزہ رکھے ہوئے تھے، ایک شخص بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے یہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے اسی وقت تناول فرمالیا اور فرمایا:

" روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں "۔

اس کا یہی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے، اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی کی اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی اور آپ نے

---

[1] مکتوب بست وچہارم۔

دیکھ لیا پھر نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ "یہ شخص شراب خوار ہے"، آپ نے فرمایا کہ "ہر وقت نہیں پیتا"۔ لوگوں نے کہا کہ "ہر وقت پیتا ہے"۔ فرمایا: "رمضان میں نہیں پیتا ہوگا"۔

دنیا سے بے لوثی اور بے تعلقی

معرفت حقیقی اور عشق کامل کا نتیجہ قدرتی طور پر دنیا اور اس سے بے رغبتی اور خشک دامنی ہے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں چند شعر لکھے ہیں، وہ بالکل اپنا ہی حال ہے۔

من پاکباز عشقم تخم غرض نکارم — پشت و پناہ فقرم پشت طمع ندارم
در بند خلق باشم نہ از کسے ہراسم — مرغ گشادہ بالم برگ قفس ندارم

آپ نے عین الملک کے پاس خاطر سے اور اس کو محمد تغلق کے عتاب سے بچانے کے لئے خانقاہ کیلئے جو جاگیر با دل ناخواستہ قبول فرمائی تھی وہ فقیر دوست اور کریم النفس بادشاہ فیروز تغلق کے عہد میں واپس کردی، اور اگر سیرۃ الشرف کی وہ روایت صحیح ہے جو مونس القلوب کے حوالہ سے لکھی گئی ہے تو دین شریف بھیجکر پروانۂ جاگیر بادشاہ کے حوالہ کردیا، اسکے بعد خانقاہ کی تعمیر و توسیع سے کوئی واسطہ اور دلچسپی نہیں رہی۔ اگر کوئی اس کا مشورہ دیتا تو طبع عالی پر گراں گذرتا، صاحب گنج لا یخفیٰ لکھتے ہیں کہ۔

> "شیخ حمید الدین مخدوم کے دوست تھے، خلوتوں میں آپ کے ساتھ رہتے تھے، ایک بار آدھی رات گذرے مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شب اونچی مخدوم باہر نکل آئے اور صحن میں دیوار کے قریب بیٹھ گئے، شیخ حمید الدین بھی ایک ساعت بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد بولے کہ اگر یہ چبوترہ کچھ بڑھ جاتے تو صحن مصفا نظر آئے، مخدوم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے

مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۱ غالباً یہ واقعہ رمضان کا ہوگا۔ ۱۲

جاتا تھا کہ اس تمام شب میں امورِ دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہوگی۔ اُس کے حل کے لئے آپ تشریف لائے ہیں لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میں برسرِ غلط تھا:

آپ فرماتے ہیں کہ جو تیرہ بڑھا دئے یہ کہتے کہ اس تحفہ نذر چنیں کردید ایں گروہ[1]

علوئے ہمت

آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیات و کمالات کا راز آپ کی جبلّی بلند ہمتی اور علوِ حوصلہ ہے جو آپ کے حالاتِ زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے اہلِ تعلق اور احباب و خدام کو ہمیشہ علوِ حوصلہ اور وسعتِ قلب کی تاکید کی ہے۔ یقیناً اس پر سب سے زیادہ عمل آپ ہی کا ہوگا۔ ایک خط میں بڑے دل آویز طریقہ پر علوِ ہمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

ہر چند تو پستی ہمت بلند دار	تو کتنا ہی پست ہو اپنی ہمت کو بلند رکھو
برادر ہمتِ مرداں بہیچ چیزے فرو	بھائی! مردوں کی ہمت کسی چیز کے
نہ بہ آسمان و زمین، نہ عرش و کرسی	سامنے بھی پست نہیں ہوتی۔ ان کی
بہشت و دوزخ بار ہمت ایشاں	ہمت کے نزدیک آسمان و زمین،
نکتہ ایں است کہ گفت:	عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ نہیں ٹکتے

اسی واسطے کہا گیا ہے ـــــ مثنوی

نے در غم دوزخ و بہشت اند — ایں طائفہ را چنیں سرشتند
چنگ در حضرت خدائے زدہ — ہر چہ آں نیست، پشت پائے زدہ
تا بجاروب لا نروبی راہ — نہ رسی در سرائے الا اللہ

---

[1] سیرۃ الشرف صفحہ ۱۲۵

همت ایں مردان فضائے پاک صحرائے
با وسعت بے جہت نما شاخ او پا در رہے
پرواز کنند درچنیں فضائے پاک تراز فضائے
پاک ربوبیت ہست ایں صحرائے آدمیت
تراز صحرائے وحدانیت ہست بسیط نیست
گرد کعبہ و بیت المقدس گرد و گرد آسمان
و زمیں طواف نکنند سبحان اللہ عز و جل
عجب کار ہست ہمت کہ در جائے خود
نشستہ و پائے در دو کون نہادہ و سر
زانو نہادہ و سر او از کون و مکان گذشتہ
و نہ ہے ہمت کہ آں را جز در آب و خاک
نہایتی از یں جا گفتہ است [1]

ان مردان خدا کی ہمت ایسی پاک فضا اور
ایسے وسیع صحرا کی فضا ہے جس میں جہت نہ تھا کہ
کام وہاں نہیں آ کر یہ لوگ اس میں پرواز
کرتے ہیں اور کوئی فضا "فضائے ربوبیت"
سے زیادہ پاک اور کوئی صحرا "صحرائے
وحدانیت" سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔
مردوں کی ہمت کعبہ اور بیت المقدس کے
گرد نہیں گھومتی اور آسمان و زمین کا طواف
نہیں کرتی، سبحان اللہ کیا ہی عجیب کام
ہے، کہ ہمت اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا کر
پاؤں کو دو کون میں سمیٹے بیٹھے اور سر کو
زانو پر رکھے ہوئے رہا تھا لیکن اس کا

"سر" (ہمت) کون و مکان سے بھی آگے گزر گیا ہے کیا
ہی مبارک ہمت ہے کہ تو اس کو سوائے پانی اور مٹی (یعنی آدم)
کے اور کہیں نہ پائے گا، اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

حقا کہ بہ ہمہ تیار دروں گرد
چرخ فلک اے پسر کہ با غم [1]

صاحب سیرۃ الاشرف نے صحیح لکھا ہے: ـــ

---

[1] مسکنود ے چھپا رہی۔

"آپ کی آنکھ ہمیشہ ناخنِ پا پر لگی رہتی تھی لیکن اگر دنیا آپ کو ادنیٰ شے دکھائی دیتی تھی تو وسعتِ حوصلہ اور بلند ہمتی کی وجہ سے ہر دم ویرانیِ عالم پیشِ نظر رہتا تھا۔"

دوسروں پر بھی اسی وسعتِ حوصلہ اور بلندیٔ ہمت کی فرمائش کی:۔

"فی المثل اگر ہمہ عالم بزیر تو آید . گیر بالفرض دولتِ جاوداں [illegible]
گرچہ در دست تصرف تو خواہی ہوشیار . [illegible]
[illegible] . [illegible]
[illegible] . [illegible]
[illegible] . [illegible]

تک پہنچنے کا راستہ قطع ہو جانے کی تعلیم دی ہے [illegible]

ع دنیا ست بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد
ما صاحبِ ایں ہر دو بیک جو نستانیم

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"ہر آئینہ چوں حوصلہ وسیع بود کہ ہر دو جہاں نگنجد و اگر تنگ بود نگنجد [illegible]
اللہ اکبر ایں نکتہ در ایں باب [illegible] طلب و احوالِ تو بیست"

تجرید و تفرید اہلِ تجرید و تفرید انقطاع عن الخلق اور انس مع الحق کے اس مقام ...... تک پہنچ جاتے ہیں جہاں کسی نامحرم کا پہنچنا یا اس کی بلندیوں کا ادراک کرنا عامیوں کے لئے مشکل ہے۔ اسلئے جب تک وہ خود ہی اپنا حال نہ بتائیں یا اس منزل کا نشان نہ دیں اس کا سراغ لگانا مشکل ہے۔ ایسے ہی کاملین مردانِ خدا کو خلوت در انجمن اور سفر در وطن کی دولت حاصل

ہوتی ہے اور یہ وصف کاملین ہی کا ہے کہ تصویر بنے ہیں منصب ارشاد و تربیت کی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے تعلق کی شان، ان کو ہمیشہ خلائق کے درمیان رکھتی ہے اسی لئے دنیا بھی ان کے اصل مقام سے ناآشنائی پیدا ہوتی ہے۔ تجرید و تفرید کون سا مقام ہے اور جو لوگ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس کو خود انہی کی زبان سے سنئے، کس جوش بلاغت کے ساتھ اور کس سرشاری و مستی کی کیفیت میں بیان کرتے ہیں۔

"تجرید از خودی و خلائق بر دو تفرید از خود	"تجرید نام تعلقات اور مخلوقات سے
در دل نظر آید بہ صحبت یارے نہ بہ کس	الگ ہوجانا ہے اور تفرید اپنے آپ کو
شاہد ما در سینہ ما است تو بابیں	چھوڑنے کا نام ہے۔ جو دل میں کوئی محبوب
مخلوق کا ہے بہ تحقیق از دل دور ہم گشتہ	ہو اور دل میں کوئی بوجھ جو کسی کے ساتھ
ہر گنبد گشتہ ز کونین نہ سبحہ و بہ بہر	کوئی حساب کتاب ہو اور نہ تسبیح ہیں
آرمیدہ و با وجود کونین بے دوست ہم خوش	دنیاوی تفکرات ہوں کوئی بار ہو نہ کسی
مانے وجود تا ملیں با دوست ناخوش ہم	مخلوق سے کسی قسم کا کوئی کام ہو اسی
عزیزے گفتہ است لا وحدتہ	بہت کا ارشاد ہے ان عزیزوں کے آگے کیا ہو
مع اللہ ولا سرا حتہ مع غیر اللہ	اور دونوں جہانوں سے گذر کر اپنے طرف
جیسا کہ گفتہ اند کہ زندہ او نہ محجوب است	بھاگنا ہو جو دونوں جہانوں کے مجتمع ہیں
در عیش بلا و رنج است اگرچہ جمیعہ	بغیر دوست کے کوئی خوشی نہ ہو اور دونوں
خواہی ملالہ و دست دارہ بہ نشر بزنم	جہانوں کی دنیا موجود کیسی ہو دستگیر سا
پرستہ مگو کہ لئے کہ زوراں با خدا و نہ خود	ہوتے ہوئے کوئی ناخوشی نہ ہو۔ ایک عزیز
کار نیست بادشاہ دو جہان است	نے خوب کہا ہو۔ اللہ کے ساتھ ہوتے ہوتے

ہر چند قوتِ شب ندارد

کوئی دوست نہیں ہے اور فقر و فاقہ کے ساتھ ہوتے ہوئے کوئی راحت نہیں ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی خدا تعالیٰ سے محجوب (دور) ہے وہ دنیا میں مصیبت اور رنج میں پڑا ہوا ہے اگرچہ کسی ملک کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہو اور ہر وقت عیش اور گویا کہ اُس کا خدا سے تعلق ہو وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے اگرچہ رات کا کھانا بھی اسے میسر نہ ہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:—

[۲] دوستان بے وجود با وجود و دیگران
با وجود بے وجود اند این سرّ لطیفست
کہ از ہمہ عالم بگریزی در رہِ دوست بیائی
دل را از خود بدر آری دوست را بخود آری
چنانکہ اصحاب کہف کردہ اند و از دل خود
کہف سازی و در وے جا گیری و بیار گیر
برخود بگوئی و سگ نفس را از دل خود بیرون
کنی تا برابر خلق جلوہ کند چنانکہ اصحاب
کہف را فرمود لو اطلعت علیہم لولیت
منہم فرارا ولملئت منہم رعبا

دوست بغیر وجود کے بھی موجود ہیں لیکن دوسرے موجود ہوتے ہوئے بھی غیر موجود ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تو تمام عالم سے بھاگ کر اور اپنے آپ میں آئے، دل کو اپنے سے نکال کر آپ سے باہر ہو ڈالے جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا تھا اپنے ہی دل کو کہف بنا کر بیٹھے اور اپنے ہی دل میں آکر اپنے پر جا گھیر کر بیٹھے اور اپنے نفس کے کتے کو اپنے دل سے باہر نکال دے تاکہ تجھے مخلوق پر ظاہر کریں جیسا کہ اصحاب کہف کو ظاہر کیا گیا (قرآن شریف میں آتا ہے

---

[۲] مکتوب شصت و دوم۔ ۱۲

اگر تو اُن کے حال سے مطلع ہو جائے تو تُو پیچھے کو بھاگ آئے اور تیرا
دل اُن کے رعب سے بھر جائے' اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھے[1]

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر

لیکن تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں آپ کو خلق خدا کے حال پر رحم و شفقت اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا، اور صرف اسی لئے آپ شاہان وقت کو بھی خطوط و کتابت فرماتے اور ان کو عدل گستری اور داد گری اور رعایا و ملک کی حفاظت و حمایت کی طرف متوجہ کرتے۔ ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفرآبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتوں اور احادیث نقل کرنے کے بعد حکام اور مظلوموں کے متعلق یہ تحریر فرمایا۔

بحمد اللہ کہ امروز آں ذات معظم و مکرم	اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات
است کہ پناہ مظلومان و درماندگان است	جو کہ مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور
و عدل و انصاف ازاں درگاہ در عالم	عدل و انصاف اُسکی بارگاہ سے دنیا میں
پدید آمدہ است بدیں سعادت سیدے	ظاہر ہوا ہے اس سعادت کے نتیجہ کی طرح
کہ پیغمبر علیہ السلام فرمودہ است عدل	جسکے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے
یک ساعت بہتر از شصت سال عبادت	کہ "ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"

آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل و تعلیم کی تکمیل سنار گاؤں میں کی تھی، اسلئے قدرتاً آپ کو بنگال اور وہاں کے

---

[1] سیرۃ الاشرف ص ۱۴۱ (قلمی)

حالات سے خاص دلچسپی تھی، اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کی فکر و اہتمام رکھتا تھا۔ مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں جو سلطان غیاث الدین شاہ بنگالہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں :-

"شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز
بندہ ہر وقت کہ پیش وی رفتی بابت بنگ
عین عنایت داشت خدائے تعالیٰ را
عین عنایتہای ایزدی در این ملک دید
و بست کہ شیخ شرف الدین را اگر شکر
ایمنی رو بہ سرایی این زمین داشت :"

شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز کو
بندہ ہر وقت پاس ملک کے بارے میں پوچھتے
عنایت و نوازش فرماتے ہوئے دیکھتا تھا وہ
دراصل خداوند تعالیٰ کی اس سرزمین پر
اور اس ملک پر نوازش تھی کہ شیخ شرف الدین
کہ جو کرشمۂ الٰہی تھی وہ اس زمین پر آباد تھا۔

اتباعِ سنّت

اس راہ کے سالکین اپنے کرامات و مقامات میں جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور آپ کے اتباع کامل کی اہمیت و ضرورت کا انکشاف اور زیادہ ہوجاتا ہے، اور ان کے لئے یہ بات بدیہی ہوجاتی ہے کہ وصول اور مقبولیت آپ کے اتباع کامل اور سنت و شریعت میں فنائیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں آپ کا جو عقیدہ اور یقین تھا اس کی توضیح کے لئے یہ مکتوب کافی ہے :-

"قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم
تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ
معنی این حرف است در بیان حق عزیز
کہ گوید"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہہ دیجئے اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر تم اللہ کو دوست
رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ بھی تم کو
دوست رکھے گا۔ اس معنی کی تائید کرتا
ہے، اس بارے میں ایک عزیز کہتا ہے۔

---

[1] سیرۃ الشرف ص ۱۲

(مثنوی)

او دلیل تو بس است تو رہ مجوی   او دلیل تو بس است تو یاوہ مگوی
ہرچہ او گفت گفتِ مطلق دان   ہرچہ او کرد کردۂ حق دان
خاکِ در باش پادشاہی کن   آنِ او باش ہرچہ خواہی کن
ہر کہ چون خاک نیست بر در او   گر فرشتہ است خاک بر سر او

ازیں جا معلوم می شود کہ بعضے اہل بد   اس سے معلوم ہوا کہ بعض اہل باطل فضول
مخصوص کمالات فاسدہ بواسطہ جہل خود در راہ   لوگ جو اپنے کمالات فاسدہ اور جہالتوں
محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نمی روند لاجرم   کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ازیں حدیث بے نصیب می شوند   کا راستہ اختیار نہیں کرتے وہ اس حدیث کے
بے رہبر رفتن ناراست کہ گفتہ است   معنی کی رو سے بے نصیب رہتے ہیں اور رہبر
کے بغیر سیدھا راستہ چلنا محال ہے جیسا کہ کہا گیا ہے

(رباعی)

کور ہرگز کے تواند رفت راست   بے عصا کش کور را رفتن خطاست
راہ دور است و پُر آفت اے پسر   راہ رو را ہی بباید راہبر

اس اصول پر آپ کا جس شدت سے عمل اور اتباع سنت کا جس قدر اہتمام تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین وفات کے دن جبکہ آپ کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی اور ضعف و ناطاقتی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی تھی، آپ نے جو آخری وضو کیا تو اس میں اتباع سنت اور عمل بالعزیمت کا پورا

---

[1] مکتوب یازدہم

اہتمام کیا۔ شیخ یحییٰ بدر عربیؒ "وفات نامہ" میں لکھتے ہیں:-

پیراہن جسم مبارک سے اتار کر وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور سیدھے بیٹھ کر
مسواک مانگی، اور بسم اللہ آواز بلند پڑھ کر وضو شروع کیا، آپ ہر عمل اور
ہر فصل میں ادعیہ معمولہ پڑھتے جاتے تھے، دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے
مگر مسح کرنا سہو ہو گیا۔ شیخ خلیل نے یاد دلایا، آپ نے ازسرِنو وضو کی تتمیم
اور ادعیہ جس طور پر آئے ہیں ہر عضو میں باحتیاط تمام پڑھتے تھے اور
حاضرین تعجب کرتے تھے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے، جب کاتب
نامہ نے دایاں پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہی، آپ نے
منع کر کے فرمایا کہ ٹھہرو، اور اپنے سے وضو کیا، پھر کنگھی طلب کی اور
ریش مبارک میں شانہ کیا اور جا نماز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی۔[1]

اتباعِ سنت کے اہتمام کے ساتھ قدرتاً آپ بدعات سے مجتنب اور متنفر رہتے، بدعت سے احتیاط اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک مربع پر فرمایا کرتے:-

"ایں در ہر جائے کہ سنت و بدعت	جہاں اور جہاں کہیں بھی سنت و بدعت
جمع می آید ترکِ سنت اولیٰ است	دونوں سامنے آجائیں امرِ سنت کا
از اتیانِ بدعت کہ اتیانِ سنت	چھوڑ دینا اولیٰ ہے بدعت کے ارتکاب سے
اتیانِ بدعت است"[2]	کہ سنت پر عمل کرنے سے بدعت کا ارتکاب ہوتا ہو۔

---

[1] وفات نامہ از شیخ یحییٰ بدر عربی۔ ۱۲

[2] تحویل پنجم مجلس سوم ازیں باب رجحانین کے فارسی اقتباسات کا ترجمہ عزیزی مولوی محمد حسین صاحب ایم۔اے کے قلم سے ہے جس کے لئے مصنف ان کا ممنون ہے۔ ۱۲

باب پنجم

وفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کے کمالات و مقامات کے متعلق جو کچھ ان کے معاصر تذکرہ نویسوں نے آنے والی نسلوں کے لئے قلمبند کیا وہ اگرچہ خود بہت ناکافی اور تشنۂ تفصیل ہے اور ان متفرق و مختصر حالات سے ان کی عظمت کا صحیح تصور نہیں ہو سکتا، لیکن یہ حالات بھی اگر خدانخواستہ مفقود ہو جاتے اور صرف ان کی وفات کا حال جو ان کے خلیفۂ خاص اور واقعہ کے شاہد عینی شیخ زین بدر عربی نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے محفوظ رہ جاتا تو ان کی عظمت و مرتبت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ تاریخ اسلام میں متعدد اکابر امت کی وفات کا واقعہ اور دنیا سے رخصت ہونے اور موت کے استقبال کی کیفیت کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان حضرات کی عظمت، تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کی صداقت بھی عیاں ہوتی ہے۔ کسی تحریک کے اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور ان کے مرض وفات کے حالات اس قدر موثر، یقین افروز اور ولولہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گزرے جیسے مستند تاریخ نے ان اکابر اسلام کے محفوظ کئے ہیں۔

حضرت مخدوم منیری کی وفات کے جو حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں ان سے اُن کی بلند نظری، استقامت، جذبۂ اتباعِ شریعت، امتِ محمدیہ کی فکر، اس کے لئے دلسوزی، اہلِ اسلام سے محبت اور ان کی خیر خواہی اور زندگی کی نازک ترین ساعت میں بھی ان کا خیال اور ان کے لئے دعا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور یقین و اعتماد کے ساتھ ہی اپنی بے بضاعتی اور کبریائی کا ڈر، سلامتیِ ایمان و حسنِ عاقبت کی فکر اور اہتمام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اہلِ یقین نے جس طرح دنیا سے جانے اور جس حضوری و مشاہدہ، مسرت و تبسم کیساتھ محبوبِ حقیقی کے پیام و قاصد کا استقبال کرنے کا نقشہ کھینچا تھا، وہ حضرت مخدوم کے وقتِ وفات کی سچی تصویر ہے۔

[illegible] دل آں زمیں [illegible] شد   [illegible] سر [illegible] چو شد
مصحف بکف و پا برہ و دیدہ بدوست   با پیک اجل خندہ زناں می شد

شیخ زین بدر عربی فرماتے ہیں:-

چہارشنبہ کا دن تھا، ماہ شوال ۷۸۲ھ کی ۵ تاریخ تھی، بعد جماعت نمازِ ظہر کے بعد اس شخ حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک نے تعمیر کیا تھا، سجادہ پر تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادمِ خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو متواتر کئی دن سے آپ کی خدمت کیلئے جاگے تھے، بیٹھے تھے جن میں سے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین رحونوی جو شیخ کے بھانجے تھے، مولانا ابراہیم، مولانا آموں، قاضی میاں، ملک الامراء مغیث اور دوسرے عزیز حاضر تھے۔ آپ نے زبانِ مبارک سے فرمایا:- لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، پھر حاضرین کی طرف رخ کرکے فرمایا:- تم بھی کہو۔

لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور سب نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھا اور پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا: سبحان اللہ! یہ ملعون اس وقت بھی مسئلہ توحید میں تعرض کرنا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ ہو سکتی ہے۔ پھر آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھنا شروع کیا اور حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے ادعیہ و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ ساعت کے وقت الٹی سانس جاری ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوئے با آواز بلند الحمد للہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا الحمد للہ المنۃ للہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے تقاضے سے بارہا کہتے یہ بھی فرماتے جاتے تھے: الحمد للہ الحمد للہ۔ المنۃ للہ المنۃ للہ۔

بعدازاں متوجہ ہو کر حجرے سے صحن حجرہ میں تشریف لائے اور تکیہ کا سہارا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے جیسے مصافحہ فرمایا چاہتے ہوں۔ آپ نے قاضی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک اسے لئے رہے۔ پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ غلام کو رخصت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ پھر قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا: ہم بھی وہی ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا: ہم دیوانے ہیں، ہم دیوانے ہیں۔ پھر تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا: نہیں! بلکہ ہم دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں۔ پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار رہنے کی تاکید فرمائی اور بلند آواز سے پڑھا: لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ پھر یہ شعر پڑھا

خدایا رحمتت دریائے عام است
ازاں جا قطرۂ بر ما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کرکے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا۔ اس کے بعد کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ یہ الفاظ بھی ادا کئے: رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین اخوانا وبالجنۃ ثوابا وبالنار عقابا (اور میں اللہ کو رب مانتا ہوں، اسلام کو دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی، جنت کو اللہ کا انعام اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں اور اس عقیدہ پر مطمئن ہوں)۔

اس کے بعد آپ نے مولانا تقی الدین اور دیگر کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور فرمایا: عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔ پھر زبان مبارک سے فرمایا: آمین! مولانا اسمٰعیل حجرہ کے اندر تھے، وہ سن کر بیتاب ہو کے چیختے دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چہرۂ مبارک پر ملنے لگے، فرمایا: تم نے بڑی خدمت کی، تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہیں گے، اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے ہو تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا، اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، دوستوں سے کہو خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرو رہے گی تو کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ملا

اور عتیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے مجھکو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش ہوگے اور ہمیشہ خوش رہوگے تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں علاء کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا بامراد ہو گئے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں علاء کی گود میں تھے اور ان کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین گھوسی آئے، آپ نے کئی بار ان کے سر، چہرہ داڑھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے اور الحمد للہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرہ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے اس کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین حمزہ برادر خواجہ مبین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی ہے مجھ سے بہت محبت تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جونپوری کا نام لیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپ نے بہت خوش ہو کر مسکرائے بیٹھ اور اپنی تمام انگلیوں سے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ مظفر میری جان ہے میرا محبوب ہے۔ مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں خلافت نامہ اور تعویذ کی کیلئے جو شرائط اور اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں میں نے جو کچھ کہا اس سے ان عزیزوں کو نقشۂ عشق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا[1]۔ اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے ...... پیش کیا اور عرض کیا، مخدوم اسے قبول فرمائیں؛ فرمایا۔ میں نے قبول

---

[1] یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس تصور کی طرف اشارہ ہے۔ [2] یہاں پر جو عبارت ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔

کیا، یہ کیا ہے میں نے تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا فرمائی، انھوں نے تجدید بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اسی دوران میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں جلال نے تعارف کرایا اور عرض کیا: یہ قاضی مینا ہیں، فرمایا: قاضی مینا، قاضی مینا! قاضی مینا نے کہا:- حضرت حاضر ہوں! اور ہاتھ کو بوسہ دیا، آپ نے ان کا ہاتھ اپنے چہرہ و ریش مبارک اور رخسار پر پھیرا اور فرمایا — خدا کی قسم پیر رحمت ہو، با ایمان رہو اور با ایمان دنیا سے جاؤ، انتہائی شفقت سے یہ بھی فرمایا کہ: مینا ہمارے ہیں۔ اسی دوران میں مولانا ابراہیم آگئے، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، آبرو دار ہو گے، مولانا ابراہیم نے عرض کیا:- [1] مخدوم ... مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا: ہم سب سے راضی ہیں، تمھیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہیئے، جو کچھ ہے میری طرف سے ہے، اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نور الدین حاضر ہوئے آپ نے نور الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ ان کی داڑھی چہرہ چوما اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے، اس کے بعد مولانا الٰہ دیہ کوہی حاضر ہوئے، فرمایا: غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آگیا تھا، یہ کہہ کر کلاہ مبارک سر سے اتار کر ان کو عطا فرمائی، اور خصوصی عنایت کی دعا فرمائی اور فرمایا حق تعالیٰ تمھیں معمور رکھے

---

[1] یہاں پر مطبوعہ اور قلمی نسخہ میں صبح البیاض کا لفظ ہے شاید اسکے معنی یہ ہوں کہ آج صبح کے وقت ہوا

پہنچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ دوستو! جاؤ! اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو۔!

اس کے بعد کاتب سطور زین بدر عربی نے دست مبارک کو بوسہ دیا اپنی آنکھوں، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا۔ کون ہو؟ میں نے عرض کیا:۔ کمینۂ آستانہ توجہ کرتا ہوا یہ عرض کرتا ہے کہ مجھے زمرۂ غلامی میں قبول فرمایا جائے۔ فرمایا:۔ جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمہارے گھرانے تمام بال بچے ان کو قبول کیا۔ خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرو رہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا، مخدوم تو مخدوم ہیں مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا:۔ امیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدومؒ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ مولانا شہاب الدین جلال و عقیدت سے عرض کیا:۔ مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا:۔ قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں؟ قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے۔ کئی جگہ میں اسکو فرزند لکھ چکا ہوں۔ خطوں میں میں نے اسکو برادرم بھی لکھا ہے۔ ان کو علوم دینی کے اظہار کی اجازت ہو چکی ہے۔ سامعین کی خاطر اتنے کچھ اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟

اس کے بعد اسد خادم خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا:۔ خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علماء و درویش چھوڑیں گے نہیں۔ ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا اسکو میرا سلام و دعا پہنچانا۔ میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا ——— فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے ۔ آنکھوں میں آنسو تھے ۔ حضرت مخدوم نے جب ان کی یہ شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا بخاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو ۔ اسکے بعد فرمایا یہ کون ہیں؟ بلال نے عرض کیا کہ : ۔ مولانا محمود صوفی ہیں ۔ آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا : بیچارہ غریب ہے ، مجھے اس کی بڑی فکر ہے بیچارے کا کوئی نہیں اس کے ایمان کیلئے حسن عاقبت کی دعا فرمائی ۔ اسکے بعد قاضی جمال خلیل حاضر خدمت ہوئے ۔ فرمایا : بیچارہ قاضی ہمارا پرانا دوست ہے ہماری صحبت میں بہت رہا ہے ، اللہ تعالیٰ اسکو بچا دے اور عاقبت بخیر کرے ، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں سب کی عاقبت بخیر ہو اور حق تعالیٰ دوزخ سے اماں دے ۔

اس کے بعد خواجہ معز الدین مشرف بخدمت ہوئے ۔ فرمایا : عاقبت بخیر ہو ۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدمبوسی کی ، فرمایا : بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے ۔ فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا ۔ فرمایا : بیچارہ فتوح صاحب ایمان تھا ، میرا ہی تھا ۔ اس کے حق میں بھی دعائے حسن عاقبت فرمائی ۔ اسکے بعد مولانا شہاب الدین نے شرف قدمبوسی حاصل کیا ۔ بلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں ۔ فرمایا : ۔ اچھا بخیر ہو ، ایمان کا غم کھاؤ اور رحمت حق کے امیدوار ہو کر پڑھو لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ۔

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے ۔ آپ نے سید ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا : ۔ میں جو عاقبت ، عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے ، اسکے بعد تین مرتبہ ان کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی : ۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر

الذنوب جمیعا اور دعا فرمائی کہ حسب مغفرت خداوندی کا شمہ ہو ارزانی ہو ، اسکے بعد
وہاں سے اٹھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ باتیں
فرمائیں ، اس کے بعد سلطان شاہ محمد سارباں جو کہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور ایک
دو قصوں کا سرسری ذکر پیش کیا اور شاہ بیگ کو مولانا نظام الدین یہیں لاسکتے تھے ، پھر شریعت اور
پابندی سنت کی نصیحت کی ، اس کے بعد خلیل کے بھائی منصور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا
ہوں ، فرمایا - آؤ ، اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے مشرف فرمایا ، پھر قینچی
طلب کی ، قینچی سے بال ترشے ، کلاہ پہنائی اور فرمایا - جاؤ دوگانہ ادا کرو -
اسی طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی ، اس کو بھی یہی حکم ہوا -

اسی اثنا میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین ملتی کے بھائی جو مریدان
خاص میں سے ہیں آئے اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے ، اسی درمیان میں ایک
حسام الدین کے بھائی میر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور
آکر بیٹھ گئے ، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی - آپ نے فرمایا پانچ آیتیں پڑھ سکے
جو وہ حاضر ہوئے عرض کیا ابھی چھوٹا ہے ، سید ظہیر الدین حقی کا لڑکا بھی حاضر تھا
میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہوا تو انہوں نے
اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی ، سید ظہیر الدین نے بھی جب
محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا
کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو ، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا ، اس نے سورۂ فتح کے
آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللّٰہ والذین معہ ، بحسن و خوبی پڑھیں ، حضرت
مسند تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے اٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق ادب

دوزانو بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن مجید سننے لگے تاجب لیغیظ بہم الکفار پر پہنچا تو مرعوب ہوگیا اور اس سے پڑھا نہ جا سکا۔ آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین فرمائی۔ جب لڑکے نے قرأت ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ: اچھا پڑھتا ہے اور خوب یاد کرتا ہے لیکن رعب چھا گیا ہے۔ اس موقع پر آپ نے ایک سفر لدھیانہ کا ذکر کیا کہ کبھی انکی طبیعت حاضر ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق ہوتا تھا اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی صاحب کو رخصت دینے کا ارشاد ہوا اور معذرت فرمائی۔ آپ نے پیراہن جسم سے اتار دیا اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی۔ مسواک طلب فرمائی۔ آداب سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں۔ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے۔ منہ دھونا بھول گئے۔ شیخ فرید الدین نے یاد دلایا کہ منہ دھونا رہ گیا۔ آپ نے از سر نو وضو کرنا شروع کیا بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جیسے آن میں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیر الدین اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط! قاضی صاحب کے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی۔ حضرت مخدوم نے ان کو روک دیا اور فرمایا: کھڑے رہو! اسکے بعد خود سے وضو پورا کیا۔ وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور داڑھی میں کنگھی کی۔ اسکے بعد مصلیٰ طلب فرمایا، نماز شروع کی اور دو دو رکعت میں سلام پھیرا۔ ضعف بڑھنے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا۔ شیخ خلیل الدین نے عرض کیا کہ: حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ کھڑے ہوگئے جوتیاں پہنیں اور حجرہ کی طرف چلے۔ آپ کا ایک ہاتھ مولانا زادہ کے کاندھے پر تھا اور دوسرا مولانا شہاب الدین

کا تذکرہ ہوا پھر تھوڑی دیر میں آپ ایک تخت کی طرف اٹھ کر تشریف لے گئے۔ میاں محمد شریف صاحب نے توبہ کی درخواست
کی۔ آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کو توبہ و بیعت سے مشرف کیا اور ان کے سر پر اپنا
دونوں ہاتھ پھیرے تھوڑی دیر کے بعد تراشے ان کو کلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دو نفل پڑھ کر
یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپ نے کرائی۔ اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ حاضر
ہوئی اور شرف قدم بوسی حاصل کیا۔ نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے
عرض کیا کہ حضرت چارپائی پر آرام فرمائیں۔ آپ چارپائی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔

نماز مغرب کے بعد شیخ حسین الدین احمد شمس الدین و شہاب الدین قریشی
نور الدین بلال الدین صدیقی اور دوسرے اصحاب جو خدمت میں حاضر تھے سرہانے چارپائی
کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت قدوۃ نے تھوڑی دیر کے بعد با آواز بلند بسم اللہ
کہنی شروع کی اور بسم اللہ کہنے کے بعد بلند آواز سے پڑھا لا الہ الا انت سبحانک
انی کنت من الظالمین۔ اس کے بعد آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا
پھر کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد
ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ اس کے بعد فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العظیم پھر کچھ دیر کے بعد کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر کئی بار فرمایا بسم اللہ
الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کے بعد
بڑے جوش اور دل کی بڑی قوت اور ذوق و شوق سے محمد محمد
محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی محمد عبدہ محمد پھر آیت
پڑھی۔ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء پھر آخر
رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا

صلی اللہ علیہ وسلم نبیا ہوا۔ اسکے بعد تین مرتبہ کلمۂ طیبہ کا ورد فرمایا پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ جیسے کوئی مناجات اور دعا کرتا ہے فرمایا:۔ اَللّٰھُمَّ اصلح امۃ محمدٍ اَللّٰھُمَّ ارحم اُمّۃ محمدٍ اَللّٰھُمَّ اغفر لامۃ محمدٍ اَللّٰھُمَّ تجاوز عن امۃ محمدٍ اَللّٰھُمَّ اعن امۃ محمدٍ اَللّٰھُمَّ انصر من نصر دین محمدٍ اَللّٰھُمَّ فرّج عن امۃ محمدٍ فرجاً عاجلاً اَللّٰھُمَّ اخذل من خذل دین محمدٍ برحمتک یا ارحم الراحمین۔ ان الفاظ پر دعا ختم ہوگئی۔ اس وقت زبان مبارک پر الفاظ جاری تھے۔ لَاخَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُون۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اسکے بعد ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور جان بحق تسلیم ہوگئی۔ یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۲۸ محرم ۸۰۸ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے۔ اگلے روز پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔[۱]

نمازِ جنازہ و تدفین

نمازِ جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے پڑھائی جو انتقال کے بعد پہنچے تھے۔ "لطائف اشرفی"[۲] میں حضرت مخدوم صاحب کا تحرر

---

[۱] از رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

[۲] لطائف اشرفی حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی کی مرتب کی ہوئی ہے جو حضرت اشرف جہانگیرؒ کے مرید تھے اور آپ کی صحبت میں تیس سال رہے تھے۔ یہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سوانح حیات بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کا مجموعہ بھی۔ ۱۲

وصیت اور پیشگوئی کو پڑھنے اور حضرت شیخ اشرف جہانگیر کے وہاں پہنچنے اور حسب وصیت نماز پڑھانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب کی وصیت اطلاع کے مطابق جنازہ تیار کرکے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور ان کا انتظار تھا: شیخ اشرف جہانگیر دہلی سے بنگال سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق اسعدی پنڈوی کی خدمت میں تشریف لیجارہے تھے، راستہ میں بہار شریف میں اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم کا جنازہ تیار کرکے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور ان کا انتظار ہو رہا تھا، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔[1]

قبر پختہ ہے اور اس پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ سوریوں کے عہد سلطنت میں اس کے گرد پختہ مکانات، مسجد اور حوض و فوارہ بنا، لیکن خیال اتباع شریعت جس کا حضرت مخدوم کو بڑا خیال تھا، قبر اپنی حالت اصلی پر چھوڑ دی گئی۔[2]

اولاد و اعقاب صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں:-

"مخدوم کی صلبی اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپ کے صاحبزادہ شاہ ذکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی یادگار چھوڑ کر قضا کی، اس لڑکی کا بیاہ سید وحید الدین رضوی خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی سے ہوا، اس کد خدائی سے ایک لڑکی طاہرہ پیدا ہوئی جو شہاب الدین علوی طوسی سے بیاہی گئی، ان کے دو بچے شیخ علیم الدین و شیخ نظام الدین ہوئے، ایک زمانہ کے بعد جب فرزندان حسین بلخی فردوسیہ

---

[1] لطائف اشرفی مطبوعہ ت المطابع دہلی ۱۲۹۵ھ ص ۳۴۲

[2] سیرت الشرف۔

نے خلعت خلافت کیا تو یہ ... حضرت ابوبکر کی اولاد کو اگر سجادۂ خلافت خانقاہ پر متمکن کیا، ان میں سے پہلے بزرگ جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ ... تھے۔"

مخدوم صاحبؒ کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا۔ ان کی اولاد اب تک بہار شریف اور صوبۂ بہار میں موجود ہے۔

ممتاز مریدین و خلفاء

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں: مخدومؒ کے مریدوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ نوشۂ توحید والوں کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی، تاہم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کثیر تھی۔ اور ان میں مسترشدین و تلامذہ بھی شریک ہیں۔ مخدومؒ کے مستفیدوں میں یہ تھے:-

مولانا مظفر بلخی، مولانا فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا نظام الدین ... شیخ عمر، قطب الدین، فخر الدین، شیخ سلیمان، خواجہ ... خواجہ صدر الاسلام تاج الدین، حسین معز بلخی الملقب به نوشۂ توحید، مولانا فخر الدین، ابو الفتح، مولانا ابو الحسن، قاضی شرف الدین، قاضی منہاج الدین، صدر بخاری، مولانا تقی الدین اودھی، مولانا شہاب الدین ... شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، زین بدر عربی، قاضی صدر الدین، شمس الدین خوارزمی، شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین سمرقندی

---

[1] سیرۃ الشرف قلمی ص [illegible] [2] صاحب سیرۃ الشرف کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں شمس الملک کے خطاب سے ملقب ہو کر منصب صدارت پر فائز تھے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ شمس الملک مستوفی الممالک مولانا شمس الدین خوارزمی تو عہد بلبنی میں منصب صدارت پر فائز تھے اور ساتویں صدی ہجری ختم ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ انہی کے شاگرد تھے، لہٰذا صاحب سیرۃ الشرف کو اس نام میں مغالطہ ہوا، حضرت مخدومؒ سے جن کو شرف تلمذ تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی تھے۔

جلال الدین، خواجہ حمید الدین سعود اکبر، شیخ مبارک، ذکریا قریب، قاضی خان، نجم الدین شاعر، قاضی بہاء الدین ظفرآبادی، مولانا لطف الدین، احمد سعید، شیخ ذکی الدین، مولانا نظام الدین ثانی، ابو محمد اکرم، مولانا احمد آموی، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین عم عاشقی، حاجی رکن الدین، مولانا وحید الدین خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، سید زید، خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ رستم، شیخ دہیر الدین و شیخ وحید الدین بہاری، شیخ نظام الدین اولیاؒ، مولانا حسام الدین، امام حبیب عانی وغیرہم[1] ۔

تصنیفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہے، لیکن آپ کی بہت سی تصنیفات اور رسائل استعدادِ زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہوگئے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے نام بھی سیر و سوانح میں محفوظ نہیں رہے، جو کتابیں ملتی ہیں یا تصنیفات میں ان کے نام نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں:-

راحت القلوب، اجوبہ، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالہ مکیہ، معدن المعانی، لطائف المعانی، اشارات، مخ المعانی، خوانِ پُرنعمت، تحفۂ غیبی، رسالہ در طلب طالبان، ملفوظات، زادِ سفر، عقائد شرفی، فوائد مریدین، بحر المعانی، صفوۃ الظفر، کنز المعانی، گنج لایفنی، مونس المریدین، شرح آداب المریدین[2] ۔

لیکن آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوم تربیت اور مقام تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا مظہر آپ کے مکتوبات ہیں جو "مکتوبات صدی" وغیرہ کے نام سے ملتے ہیں۔

---

[1] سیرۃ الشرف صـ ۱۱۱ و صـ ۱۱۲ ۔

[2] سیرۃ الشرف و مزید المراد وغیرہ ۔ ۱۲

باب ششم

"مکتوبات"

مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ

حضرت مخدومؒ کی زندہ یادگار اور ان کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات اور ذوق، صحیح و مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کے صحیح و عمیق فہم، مقام نبوت اور عظمت رسالت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شیریں لطائف کے اعتبار سے ہمارے محدود علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدومؒ کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانیؒ کی نظیر نظر نہیں آتی۔ ان کے مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ کے محققین و عارفین کی علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے، اور انھوں نے معرفت الٰہی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی باریکیوں اور نفسِ انسانی کی گہرائیوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات حاصل کیں، اور ان کی ذکاوت اور قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا۔

اور کیسی فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورِ قلم، قوتِ بیان اور حسنِ انشاء کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور ادبیات میں شمار کئے جائیں، لیکن اکثر طبقوں اور علم و ادب کے بارے میں یہ ناانصافی کی گئی ہے کہ صرف ان شخصیتوں کو ادیب، صاحبِ اسلوب اور انشاء پرداز تسلیم کیا گیا ہے اور انہیں کی تحریر اور انشاء پر فخر کر کے ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا، جنہوں نے ادب و انشاء کو ایک پیشہ اور ذریعۂ اظہارِ کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں سرکار دربار سے متعلق تھے اور کوئی تحریری خدمت ان کے سپرد تھی، یا جنہوں نے انشاء میں صناعی اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشاء پرداز اور صاحبِ اسلوب کی حیثیت سے عبدالحمید الکاتب، ابو اسحٰق الصابی، ابن العمید، صاحب ابن عباد، ابوبکر خوارزمی، ابوالقاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ معنویت، زندگی اور ذوق سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن رشد، شیخ محی الدین ابن عربی، ابوحیان توحیدی، ابن تیمیہ، ابن خلدون بہتر طور پر انشاء پرداز کہلانے کے مستحق ہیں، اور ان کی تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشاء، خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور طاقتور نمونے ہیں، لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی ادب و انشاء کو اپنا مستقل پیشہ اور اظہارِ کمال کا ذریعہ نہیں بنایا، اور ان کی تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تصنع اور تکلف سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اس کے زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد و تحسین کی صداؤں سے گونج اٹھتے ہیں اور شاید وہ مصنف خود بھی اسی کتاب کو حاصلِ عمل اور طرۂ امتیاز و افتخار سمجھتا ہے، لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلابِ روزگار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پُرتکلف تصنیف گمنامی

کی زینت بن کر رہ جاتی ہے اور دوسری کتاب کو قبولِ دوام کا خلعت عطا ہوتا ہے اور گلشنِ بے خزاں کی طرح سدا بہار بن جاتی ہے۔ ابن جوزیؒ کی بلند پایہ تصنیف جس کا انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ "المنتظم" اور حیرت میں ڈال دینے والی کتاب کا نام رکھا تھا پردۂ خفا میں ہیں لیکن ان کی بے تکلف کتاب "صید الخاطر" جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقہ پر اپنی زندگیؒ کے تجربات اور روز مرہ کے تاثرات قلمبند کئے تھے اور جس کو وہ شاید خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں آج مقبولِ عام اور ادب کے طالب علموں کا مرکزِ توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب انشاء پر ظہوری، ابوالفضل اور نعمت خان عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ اگر انشاء کے لئے جذبات و حقائق کے مؤثر اظہار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ جن میں لفظی صناعی و بدائع اور لفظی رعایتوں کا زور ہے اپنی قیمت کھو دیتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ ادب و انشاء کے فطری معیار پر پورا اترتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائق مطالعہ نظر آتی ہیں جن کو عام طور پر مورخین ادب اور نقادوں نے تقلیداً ادب کی بحث سے نظر انداز کیا۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقیؒ کے "مکتوبات" کا بڑا حصہ، عالمگیر کے "رقعات"، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی "ازالۃ الخفا" اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی "تحفۂ اثنا عشریہ" کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب و انشاء کا کامیاب نمونہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رو نے کھینچ دیا تھا صدیوں تک اس سے باہر نکلنے، دوسرے علوم و فنون کے ذخیرہ کو کھنگالنے اور نئے ادبی شاہکاروں کو دریافت کرنے کی زحمت عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اس طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشاء کے سلسلہ میں عام مؤرخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تحریر کی قوت، کلام کی تاثیر اور قبولِ عام و بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اصلیت و کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ یا کسی حقیقت کے اظہار کے لئے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے۔

ایسے کسی شخص کو جو اس وجدانی کیفیت سے سرشار ہو اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کیلئے مضطرب و بے قرار ہو جب قدرت کی طرف سے ذوق سلیم بھی عطا ہو الفاظ و اسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حسن بیان کے ساتھ سوز دروں اور خون جگر بھی شامل ہو تو اسکی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا سوز پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سینکڑوں برس گذر جانے کے بعد بھی اسکی تازگی و زندگی اور اسکی تاثیر و قوت تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر و تقریر کو بہتر و کامیاب بنانے کے لئے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قواعد ضروری ہیں، ناقدین ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا موثر اور ناقابل فراموش عنصر یا عامل صاحب کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب و انشا کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ و تجربی و تقابلی نظر سے جائزہ لیا جائے تو اسکو دو قسموں پر تقسیم کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہار خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقتور عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحب اقتدار یا صاحب ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی بلکہ وہ خود اپنے ضمیر و عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہل حکومت اور اہل ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحب ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو، ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔ "پہلا ادب" "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اسکا موضوع دینی اور اخلاقی ہے تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر

ہے، ہزاروں آدمیوں کے دل میں اس کے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کے برخلاف دوسری قسم کا ادب جو تحسین اور داد طلبی، غرور و خود نمائی کے سوا اور کچھ نہیں، اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود و مختصر ہوتی ہے، پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں تصنع اور بناوٹ، ہم ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں چھوٹ جاتا ہے اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا "اس لئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لئے۔"

ناقدین ادب نے رقت احوال، صفا اور طبیعت کے فراغ کو ادب و شاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار و معاون محسوس و تسلیم کیا ہے اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ اب جو کنارہ کشی اور گوشہ نشینی نصیب ہوا ہے، عمر کا سب سے اچھا وقت ان کی شاعری اور ان کے ادب کے عروج ہی کا زمانہ تھا، اور دنیا میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں، اسی طرح حقیقت یہ ہے کہ گریہ نیم شبی کی سوز دل اور درد و غم کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سرمستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے، خواجہ میر درد نے جو خود صاحب دل اور صاحب درد تھے، اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے ؎

جایئے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین و مشاہدہ، دعوت کی تڑپ، اہل عصر و اہل تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزل مقصود پر پہنچانے کے جذبہ، اخلاص، سوز و درد مندی، روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اس سب کے

ذوق سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدینؒ کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے اور انھوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لیے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انھیں کا حصہ و خصوصیت ہے ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور معارف و حقائق، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت تاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہم

مکتوبات کا سب سے مشہور و متداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ[1] کے نام کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں سو مکاتیب ہیں۔ یہی مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کے نام سے چھپے ہیں، کہیں یہ صدی مکتوبات کے نام سے اور کہیں مکتوبات صدی کے نام سے۔ اس کے مرتب حضرت مخدومؒ کے معتمد خاص شیخ زین بدر عربی ہیں، وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

> بندۂ ضعیف زین بدر عربی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ نے جو حضرتؒ کے ایک مرید ہیں، بار بار اس مضمون کے عریضے ارسال خدمت کیے کہ یہ غریب موانع کی بنا پر حضرت مخدومؒ کی مجلس میں حاضری اور شرف صحبت سے کہ جو علوم دینیہ کے حصول کا ذریعہ ہے، محروم ہے، اور حضرت مخدومؒ سے دور ایک مقام پر پڑا ہے، اس کی درخواست ہے کہ طریق سلوک کے بارے میں بندہ کے فہم و استعداد کے مطابق کچھ تحریر میں لے آیا جائے، تاکہ یہ دور افتادہ اس سے استفادہ کر سکے۔

---

[1] چوسہ حضرت مخدومؒ صاحب کے عہد میں ایک مرکزی اور معروف مقام تھا، اس زمانہ میں شاہ آباد ڈسٹرکٹ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے۔

یہ درخواست جو بڑے اخلاص و الحاح سے کی گئی تھی منظور ہوئی، اور حضرت مخدومؒ نے مراتب و مقاماتِ سالکین اور احوال و معاملاتِ مریدین کے سلسلہ میں بقدرِ ضرورت کچھ تعلیمات فرمادیں، اور اس طرح توبہ، انابت، توحید و معرفت، عشق و محبت، گریہ و زاری، روش کشش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، اصلاحِ حق و نفس کی بیداری و مریدوں کے بہتیرے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا۔ یہ خطوط ۷۴۷ھ کے مختلف مہینوں میں بہار سے قصبۂ چوسہ بھیجے جاتے رہے۔ خدام و حاضرینِ خانقاہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی اور ان کو مرتب کرلیا، تاکہ اصحابِ توفیق طالبینِ صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں ؎

کاشی سر نشاندہ شدہ خرد جہانیاں　　　سرمایہ ہمہ زیں نقد و غیب
یارب ازیں نقد و سرہ وانثئی بہ بخش　　　ما را کہ قلب ناسرہ ایم پر عیب

ایک دوسرا مختصر مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہوا ہے، اور "مکتوباتِ صدی" (شائع کردہ مکتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو شیخ مظفر کے نام ان کے عرائض کے جواب میں لکھے گئے اور ان میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے اور ان سے شیخ مظفر کے علوِ استعداد اور انعاماتِ الٰہیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکاتیب انھیں کے ساتھ دفن کر دیے جائیں، اتفاقاً کچھ مکاتیب پر بعض خدام کی نظر پڑ گئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی، یہ مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے موسوم ہے، اس مجموعہ میں اٹھائیس ۲۸ مکاتیب ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ایک سو ترپن ۱۵۳ مکتوبات ہیں، اور مختلف اشخاص

کے نام ہیں، یہ مکتوبات جمادی الاولی سنہ ۷۴۷ھ اور رمضان المبارک ۷۴۸ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں

خاص خاص مکتوب الیہم کے نام یہ ہیں:-

شیخ عمر ساکن قصبہ اتھل، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا اکمال الدین سنتوسی، مولانا صدر الدین، مولانا ضیاء الدین، مولانا محمود صغانی، شیخ محمد ظفر آبادی معروف بہ بیاؒ، ملک الامرا، ملک مقرب، مولانا نظام الدین، داور ملک، داؤد سلطان محمد، مولانا نصیر الدین امین خاں، ملک خضر، شیخ قطب الدین، شیخ سلیمان، سلطان الشرق فیروز شاہ۔

مضامین کا ماخذ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے کی صرف ذہانت، دلور علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے ذوق و یقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شان بے نیازی، اس کی ماورائیت و کبریائی، جلال و جمال، مومن کے خوف و رجا، عارفین و واصلین بارگاہ کے ناز و گداز، [illegible] و درماندگی، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ و انابت اور اخلاص کی ضرورت پر جو کچھ لکھا گیا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرم راز اور واقف حقیقت لکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرتبۂ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلب انسانی کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت، انسان کی بلند پروازی، تو ذریعی و مشکل پسندی اور عشق طلبی، عزیمت اور قوت طلب کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ عالی ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاق رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ سب طویل تجربہ، وسیع علم اور واقفیت پر مبنی ہے۔

اہل طریقت کی جن غلطیوں پر تنبیہ کیا گیا ہے اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے

ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح اور مقام نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لیے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کرینگے جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں۔

باب ہشتم

"مقام کبریا"

بے نیازی سلطانِ عالم

ایک مکتوب میں شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی کو بیان کرتے ہیں کہ کسی کو اس سے چون و چرا کی گنجائش اور یارائے سوال نہیں۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ وہ جس کو چاہے دولتِ ایمان اور خلعتِ قبول سے نواز دے اور جس کو چاہے راندۂ درگاہ اور مطرود بارگاہ بنا دے، جس کو چاہے خاک سے افلاک پر پہنچا دے اور جس کو چاہے افلاک سے خاک پر گرا دے۔

"اگر گوئی چرا چنیں است؟ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے اس سے نواز دے) اگر تم کہو کہ ایسا کیوں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔

کہے با خداوند تعالیٰ کو یہ چرا کیسے   کس کی مجال ہے کہ خدا سے یہ کہہ سکے کہ
اسے دولت اور یہ کیسے دی اس کو دی جا کر   کیوں فلاں کو یہ دولت دی فلاں کو نہیں
بادشاہ ہے داتا ہے کیسے یہ منصب دے ڈالا   دی جیسا کہ ایک بادشاہ اعلیٰ مرتبہ میں

ودیگرے را دربانی وستوربانی نگین اگر
دوست ودرین بھیے رہ تو نہ بادختر ابانش
میڑ نمایم روخواہم از خیال تاویلہا بستاکسانا
ورہ فروشانی زنار بابی دعم تخوار ان آمرا
زہرہ آں کہ گوید اھولاء من اللہ
علیہم من بیننا۔ فضیل عیاض را
اگرچہ بادہ نوش است بیار کہ خواندہ
است عمر با عمرو اگر چہار صد سال
بسر سجادہ بود از درگاہ ما برانید کہ راندہ
است، با عمر با کرت بپرستی دلداری نمیکنیم
عزازیل را کہ مقصد بر نوسال عبادت اند
نمی خواہیم کہ گو فریاد ابا ہلا یسئل عما یفعل

ایک کو منصب سلطنت سے سرفراز کرتا ہے
دوسرے کو دربانی دکناسی پر مقرر کرتا ہے
اسی طرح جسے وہ کسی کو دین کی دولت عطا
فرماتا ہے تو کبھی اس کو خرابات سے اٹھا لاتا ہے
کبھی بے حیثیت لوگوں کو مقرب بارگاہ بناتا ہے
ظالموں اور شراب خوروں کے گروہ سے نکال
لاتا ہے۔ کسی کا مجال ہے کہ کچھ کہے۔
اھولاء من اللہ علیھم من بیننا
کیا اللہ کو ہمارے درمیان انہیں پر احسان
کرنا تھا، حکم ہوتا ہے کہ فضیل بن عیاض کو
اگرچہ وہ شراب خور ہے لاؤ وہ ہمیں مطلوب ہے۔
عمر با عمرو کو جو چار سو برس تک سجدے

سے نہیں ہٹا ہماری بارگاہ سے باہر کر جاؤ کہ وہ ہمارے یہاں کا نکالا
ہوا ہے، ہم عمر کو جو بت پرستی میں مشغول ہے، چاہتے ہیں، عزازیل کو جو سات ہزار
سال سے عبادت میں مشغول ہے، نہیں چاہتے ہیں، کس کی مجال ہے کہ
کچھ کہے —————— (بیت) ؎

گر گل از دست بردہ آنچہ را دل او بود
گر بامید نیاید ہمی مہ شبہا زدا

اگر نظر لطف افگند بر عیب با ہنر گیرد
اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو ہمارے عیب ہنر ہو جائیں

در بہ نقصان با کمال و ہم زشتی با جمال   ہمارے تمام نقص کمال اور ہماری تمام بدیاں
ہست ما در رشتہ ناکس بود در عین ذلت   حسن و جمال ہے ہمارا وجود ایک مشت بھر خاک
در بلائے افتادہ در کرب انتقام شدہ   تھی جو ذلت و خواری کی حالت میں پڑی تھی
نظر لطف در آمد و گفت بے انی جاعل   پھر کی اور پاؤں کے نیچے ہی تحفۂ لطف
فی الارض خلیفۃ ۱   نوازش کی ایک نظر پڑی اور صدا آئی کہ انی

جاعل فی الارض خلیفۃ

ایک دوسرے مکتوب میں اسی شانِ بے نیازی کو حضرت اس طرح بیان کرتے ہیں:

" چشم بکشا و بحسرت آدم بیں و نوح   چشمِ عبرت کھولو آدم کی حسرت دیکھو نوح
بشنو و بے باکی خلیل بیں و مصیبت   کی فریاد سنو ابراہیم خلیل اللہ کی ناکامی دیکھو
یعقوب بشنو چاہ زندان یوسف را بدید   یعقوب پیغمبر کی مصیبت کی داستان سنو اور کنواں
ہیں و در آرہ بر فرق زکریا نگر و تیغ بر گردن   اور قید خانہ میں یوسف کو دیکھو حضرت
یحیی بیں و جگر سوختہ با کباب گشتہ   زکریا کے سر پر آرہ اور حضرت یحیی کی گردن
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ   پر تلوار ملاحظہ کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم و علیہم اجمعین ببیں و بخوان کل   وآلہ وسلم کی سوختہ جگر و جان کباب ملاحظہ کرو
شیء ھالک الا وجہہ ۲   اور پڑھو کل شیء ھالک الا وجہہ۔

ایک جگہ ارشاد الٰہی کی حمد و ثنا کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اے برادر گفتۂ تو بجان کرایہ بضاعت   میرے بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارا کھوٹا سکہ

---

۱ مکتوب سی ام ۔ ۲ مکتوب سی و ہشتم

اے سرو مرا ذکر او در پیش حضرت بہ غیبت الفقراء	کے ساتھ ہماری گمنامی اسی وقت باقی ہے
کہ جو حصہ باز بر آ قریب بعد در وصل الحبیبنا	رسائی نہیں جو تقرب بادشاہی کے مقدمہ کے
کیا گنجہ فقیرانے کہ بہ کے صاحب بوستان	لئے پیدا کیا گیا ہو وہ کہ تحت الثری [illegible]
دو خشت اندر بیرون دیا ہے دو عثمان دو دست کا لپیٹ	کے مقدمہ میں کہاں کام آسکتی ہے وہ تب

جو صاحب اقبال و دولت کے جس کے اندر معمولی گمنی ہو ہم

بے تعلقوں کے حقیر قدر رفاقت پر کیساں راست آسکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطف الٰہی کا کوئی بھروسہ کا چلتا ہے اور ارادۂ الٰہی کا کوئی اشارہ ہوتا ہے تو خاک کو کیمیا بنتے اور مطرود و مردود کو مقبول بارگاہ ہوتے دیر نہیں لگتی، یہ بات جہاں بہت ڈر کی ہے وہاں بڑی امید و حوصلہ کی بھی ہے فرماتے ہیں:۔

ایں دولت لطف است نہ استحقاق[1]	یہ دولت تفضل الٰہی پر منحصر ہے نہ کہ استحقاق پر
واللہ العظیم اگر باستحقاق بودے منصب	خدائے عظیم کی قسم اگر معاملہ استحقاق پر ہوتا تو
من و تو در دنیا ہرگز علت نبودے	میرے اور تمہارے حصہ میں ایک ذرہ بھی نہ آتا
برداشتند تا چنانکہ باکان میدہند	لیکن علت کو درمیان سے اٹھا دیا ہے
بے باکاں نا پاکاں بہ ناچیزاں را دہند	کہ اب جس طرح پاک نفوس اس دولت سے بہرہ ور
آں عزیز بلند کہ آشیاں شکاں است دوالیوں	ہیں ویسے ہی ناپاک بھی بہرہ مند ہوتے ہیں
کہ عرصہ ملوک گر دو لیکن باب بدمیاں	وہ عزیز بلند گھر جو کبوتری کی نشستگاہ
ہست اگر می خواہی کہ بجائے دیا ہے گردی الیہ	ہے ہو سکتا ہے بادشاہوں کی نشستگاہ

---

[1] مکتوب چہل و دوم

از اینجا کہ ضماد شوریدہ را آلودہ
نشست بیشتر باید شد و قدرے
چند باید زد و از تربیت نور راہ
و از حقیقت بیند[1]

بن جائے لیکن حکمت الٰہی نے کچھ
ایسے اسباب بھی مقرر کر دیئے ہیں اگرچہ
منظور ہے کہ کسی مقام پر پہنچ کر کوئی چیز بن
جاؤ چونکہ تمہاری بیمار و شوریدہ اور
کو دھیمے مرواشود از قدم وضمائے خر پیشگاہ شریعت سے زادہ واطلاع در حقیقت بدرجہ اتم پائیگا۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

"فضل بے علت یکے را می نوازد و عدل
بے علت دیگرے را گدازد عمر در بتخانہ
مقبول و عبداللہ بن اُبی در مسجد مخذول
رحمت بر جامی باد کہ گفتہ ؎

فضل بے علت ایک کو نوازتا ہے اور
عدل بے علت دوسرے کو پگھلاتا ہے عمرؓ
بتخانہ سے نکال کر مقبول بنا دیئے جاتے
ہیں اور عبداللہ بن اُبی مسجد میں مخذول
رہ جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے (بیت) ؎

آنرا کہ بسوزی می دانی ساخت
وانرا کہ بسازی می دانی سوخت

اے برادر مرا و ترا کار با جبارے
و قہارے افتادہ است کہ اگر بہشت
بہشت را عین دوزخ گرداند و دوزخ
را عین بہشت و از کلیسا برآرد و از بتکدہ کعبہ

میرے بھائی ہمیں تمہیں ایک جبار و قہار سے
واسطہ ہے اگر بہشت بہشت کو عین دوزخ
قرار دیدے اور دوزخ کو عین بہشت
بنادے تو عجب کیا کلیسا برآمد کرے اور بتکدہ کو

---

[1] مکتوب ۲۹ ج ۲

در قدرت او برده شیئے است هیچ چیز — کچھ نہ داوے اس کی قدرت و قوت کے
نائدہ است گر آب تشنہ است غرق — سامنے سب ایک ہیں کس کا زہرہ ہے
آن نیست کر دید بہم تحفظ لحظہ می لرزی — آب نہ ہوا ہو خوف یہ ہے کہ وہ سبب ہو کہ مجھ
می ترس نباید کہ دست در بے علت — لحظہ لرزاں و ترساں رہو کہیں ایسا نہ ہو
از حرزہ غیب پیدا شود قہر بیست — کہ اس کا دست قدرت بے علت پردۂ
اورا بے علت بلطف است دوا بے — غیب سے ظہور پا جائے اس کا قہر بھی بے علت
علت ز لطف آورد طلب تا آب مغفرت — اور اس کا لطف بھی علت کو لاتا ہے
میشود تا پاک لطف اندر دل پیدا آید قہر بین — تلطف و مہربانی سے ایک آورد (معافی)
پائے طلب تا رویش بدو بجوی سیاہ کند — تو طلب کرتا ہے تاکہ اس کی مغفرت
تا پائی سلطان قہر زند سبب ظاہر گردد — سے پہنچے تاکہ لطف نہ پائی جس سے
گاہ اندر پردہ من حق بنی پی برون آرد گاہ — قہر جو اس کا قہر بھی کسی پاک کو طلب
اندر پردہ من نبی حق پیدا آمد گاہ — کرتا ہے تاکہ اس کے دھوکے میں اس کا چہرہ ہوا
گاہ بادر صف اولیا رقصاں دگاہ ولی — کر دے تاکہ سلطان قہر کا اسباب بے نیاز
دار ور طور سگاں ہمہ دل کن چیل قبول — ہوتا آیات ہو جائے کبھی سے حق کے
تو اہر گر پردہ کند و چوں در تماہ گرد — کے پیچھے سے نبی کو ظاہر کرتا ہے اور کبھی
بدیچ چہرہ قہر اگر کند — کسی نبی کے دامن کے پیچھے سے حق ہے

کرتا ہے کسی کے گر دیدار کی صف میں جھانکتا ہے اور کبھی دل کو حق کھولتا ہے

سلہ مکتوب پنجاہ و ہفتم (۵۷)۔

باندھ دیتا ہے لیکن جب وہ کسی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کو رد نہیں کرتا اور جب کسی کو رد کر دیتا ہے تو پھر کسی کے بدلے میں قبول نہیں کرتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

[1] نظر بر قدرت و فضل او باید داشت اگر
خواہد ہزار ہزار کلیسا و بتخانہ را کعبہ و بیت المقدس
گرداند و ہزار ہزار عاصی و فاسق را حبیب اللہ
و خلیل اللہ خطاب کند و علت درمیان نہ
و اگر خواہد بیک لحظہ ہزار ہزار کافر را مومن
گرداند و ہزار ہزار مشرک بت پرست را
موحد گرداند و علتے درمیان نہ و ہزار ہزار
لعنتی را رحمتی و ہزار ہزار خرابات را آبادانی نماید
کس را زہرۂ چون و چرا نہ۔

نظر قدرت اور فضل پر رکھنی چاہیے اگر چاہے ہزار ہزار کلیسا اور بتخانوں کو کعبہ اور بیت المقدس بنا دے اور ہزار ہا عاصیوں اور فاسقوں کو حبیب اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب دے دے علت درمیان میں نہیں ہے۔ اگر چاہے ایک لحظہ میں ہزار ہا کافروں کو مومن بنا دے اور ہزار ہزار مشرک بت پرستوں کو موحد کر دے اس کے لئے کسی علت کی ضرورت نہیں ہزار ہا لعنتیوں کو رحمتی اور ہزار ہزار خرابات کو درست آبادی بنا دے کسی کو چون و چرا کا زہرہ نہیں ہے۔

ہست سلطانی مسلم مر ترا
نیست کس را زہرۂ چون و چرا

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند
بسا رند خراباتی کہ زین بر شیر نر بندد [2]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] مکتوب نصیحت دوم (۱۲۰)

[illegible] خواسته است [illegible]   جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کسی کی مجال ہے
[illegible] نجات کس [illegible]   کس پناہ میں کسی کی نجات کی ایک صورت ہے
[illegible]   پھر اس سے جان بچا کر اور کہیں کو بھاگ جائے
[illegible]   اس کے دربار میں سب ہیں دم بخود حیران ہیں
[illegible] تیغ [illegible]   جان سے بیٹھا ہوں غیب سے صدا آتی ہے کہ
[illegible]   ہزاروں صادقین کو بھی خونخوار جنگل میں لاتے
[illegible]   وہاں ادب [illegible] سب ہلاک
اعتراض بر خواست [illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible] حاصل کریں اگر
[illegible]   [illegible] اعتراض [illegible]
[illegible][1]   اس کی زبان [illegible]

کرنا ۔ لا یسئل عما یفعل پڑھنے ہی سے ہمارے تو ہیں [illegible]

یعنی ہمارے حق میں [illegible] اعتراض کرنے والا کون ہے ۔

ایک دوسرے مکتوب میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور یہ کہ دونوں طرح کے معاملوں کا امکان ہے اسعد و نون کے بیشمار واقعات سے ایسا [illegible] مکتوب تحریر فرماتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے ۔

[illegible] است [illegible][2]   [illegible] راستہ [illegible] منزل [illegible]

---

[1] مکتوب [illegible] (۲۵)

و محبوب و مطلوب با تنہائی بود با بے ضعیف　　محبوب و مطلوب تنہائی میں جسم ضعیف تھا
بے بیچارہ و رہا نے عاشق کے مشتاق　　بیچارہ جان عاشق مشتاق ——

بیت ـــ ؎　　شاعر کہتا ہے :——

جز خیال رخ نگارت نیست شکار خود تو
زانست کہ ہر سر بے ندارد سر تو

پس خبر ملا عت کر بوقت صبح و قال نا　　کتنے تو مین طاعت میں جو روزے کے وقت
الا ما عملوا جابو بے نیازی بر درجشد　　وقدمنا الی ما عملوا من عمل
ولیس بودا آباد ال کرد عمارت بے نکلا یرت　　فجعلناه هباءً منثورا کی بلیغی
وبدا لهم من الله ما لم یکونوا　　کی ان عمل کی قدر ہو جاتی ہیں اور گئے آباد
یحتسبون خراب گشت و نیستی رفتہ　　سینے میں جو کو عمارات عدت میں ویران
کر دیدہ ماز قبل گرید خندہ بس آشنا یاکر　　لهم من الله ما لم یکونوا
وز شب محتسبین بگا خوانند کہ چہ زد گرید　　یحتسبون کا ظاہر مطلبی ویران
نم کنومة العروس دیگر از گرید　　کر دیتا ہے کتنے چہرے ہیں جن کو عدمیں
نم کنومة المنحوس دوسری آید　　قبلہ سے پھیر دیتے ہیں کتنے آشنا ہیں جن کو
کہ ہیچ طاعت باز نگردد۔"　　بازی ہی شب میں بیگانہ کر دیتے ہیں کتنے

ہیں جن سے کہا جاتا ہے "نم کنومة العروس" اور دوسروں سے ارشاد ہوتا ہے "نم کنومة المنحوس" کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی طاعت پر بھی واپس نہیں لیتے۔ شعر ؎

من لم یکن للوصال اهلا　　فکل احسانه ذنوب

توبہ کے کی آید کہ از ہیچ معصیت	اور کیسے ایسا قبول کرنے میں کہ پھر کسی
نمی ترسید؟ شعر	معصیت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

فی وجوہہم منافع یمحو اسا بوقہ

من القلوب و یاتی بالمعاذیر

خلیل کہ زادہ آزر است یخرج	خلیل اللہ کو آزر سے نکلتا ہوا دیکھو
الحی من المیت می خوان وکنعان	اور یخرج الحی من المیت پڑھو
و بے کہ زادہ نوح بنگر و یخرج المیت من الحی بیا	کنعان کو نوح کے گھر سے نکلتا ہوا دیکھو
اثبات آدم بر کہ زلت ہو نگر در ابلیس بیا	اور یخرج المیت من الحی کو یاد کرو آدم
کہ اثبات طاعت سو نزرات چہ نگر	کے نقص کو دیکھو اور بخشا گیا لغزش القصہ
لہم البشری خواندہ ان مرحبا ست	بھی اطاعت کا ... ابلیس کی طرف
لا بشری یومئذ للمجرمین	غلط اسی طرح ایسا ہی ...
بامتحان راہ در راہ است چنانکہ	کے حق نے بھی ...
سیماہم فی وجوہہم من اثر	جس طرح کسی کے لئے لہم البشری
السجود بیان ست یعرف المجرمون	کی بشارت ہے اسی طرح ...
بسیماہم نشان است	کے لئے لا بشری یومئذ للمجرمین

کا اعلان بھی، جیسے کہیں سیماہم فی وجوہہم من

اثر السجود ہے، ویسے ہی یعرف المجرمون

بسیماہم بھی۔

شاعر نے ٹھیک کہا ہے

(رباعی)

غافل منشیں ز خوشی چوں بیخبرے — حاصل کن ازیں جہانِ فانی ہنرے
خورشید غبار دوستی بے خبرد — کاسیب است بزیر ذات بالا شرے
تا توانی با دلِ شکستہ باش و خراب[1] — جہاں تک ہو سکے دل شکستہ رکھو ویرانہ

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہِ مطلق کے صفات و معاملات جلالی و جمالی قہاری و غفاری دونوں اپنا اپنا عمل کرتے ہیں اور یہ دونوں صفتیں اپنے عمل میں ایسی آمیزہ ہیں اور عالم میں ان کے ایسے تصرفات ہیں کہ مومن کے لئے خوف و رجا (امید و بیم) کے درمیان رہنے کے سوا چارہ نہیں۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی شان فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کی تشریح کرتے ہوئے اور اس کی مثالیں دیتے ہوئے اپنے اس درویشانہ فقر اور اس یقین و وثوق کے ساتھ جو انہیں حاصل تھا یوں لکھتے ہیں:-

ببیں لطفِ بے علت ہمی گوید کہ در آئی — گہے بیں قہرِ بے علت کہ گوید نہ در آ جا کر
ایں چاکر قدیم مگر تو تیل معبد دستار — سلطان سے کے پاؤں نہ لگ کر کبھی ددستوں
نی سازد و بے تشریف دلباسش بالعصم — کہ آنکھوں کا تیا تا ہے ہیں اور ردکیچہ
زد عیبہ بالوصیل دکلام خیبر — باسط ذدا عیبہ بالوصیل بکر
خوش قیامت می نوازند گاہ قہرِ بے علت — قیامت تک کے لئے کام ترتیب ہو جاتے
نوازی کرد احمد را مجا معلم ملکوت — ہیں اور کبھی قہرِ بے علت آواز دیتا
زا کہ حضرت ہزار سال معتکفِ درگاہ بود — ہے کہ خبردار خبردار یہاں معلم الملکوت
لباسِ ملکی از سر شہر بری کشیدہ و لعن — کے سر سے جو سات لاکھ سال معتکف
و ان علیک لعنتی بر پیشانی او زد — درگاہ رہا ہے لباسِ ملکی اتار کر لعنت

---

[1] مکتوب ہشتاد دفتر ہفتم (۲۲۲)۔

تند گاہ عیب را گر پیشوا زیرد و رکند ایسا الز
بنشیند پیش روی وا نہد وی گوید انا لک
شئت ام ابیت و انت لی
شئت ام ابیت گاہ بلعم بن باعور
کہ یگانہ بود و اسم اعظم خلعت داشت
از مسجد بیرون می کنند و در طویلۂ سگان
می بندند و می گویند فمثلہ کمثل
الکلب ان تحمل علیہ یلہث
گاہ مرید آسیا بلا و رنجہا بر دل و
جگر مرید می رانند گاہ ساکنان حظائر
قدس را باستقبال می فرستند و بلطف
می خوانند گاہ کوہے می بخشند گاہ
کاہے نگذارند گاہ در صدر بہشت
نشانند گاہ بیرون کنند و بر در گذارند
این جا عقل و علم نگونسار شد این جا
پیر و مرید نقش بر دیوار اند این جا
"فعال لما یرید" است این جا
یفعل اللہ ما یشاء و یحکم
ما یرید است[1]

عتاب و غضب کی حالت میں اسکی پٹائی کریگا
دیتے ہیں۔ کبھی گھر کے حجرہ میں بیگانہ تھا تب تجھے
سامنے سے ہٹا کر اپنے پاس بلا کر کہتے ہیں
میں تمہارا ہوں چاہو یا نہ چاہو اور تم میرے ہو
چاہو یا نہ چاہو اور کبھی بلعم بن باعور کو جو یگانہ
تھا اور اسم اعظم کے خلعت سے سرفراز تھا مسجد
باہر کھینچ کر کتوں کے طویلے میں باندھ
دیتے ہیں اور کہتے ہیں فمثلہ
کمثل الکلب ان تحمل علیہ
یلہث یا اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی
جب اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے
اور اگر اس کو اسکے حال پر چھوڑ دے تب بھی
ہانپے، کبھی مرید بلاؤں اور تکلیفوں کی
چکیاں طالب کے دل و جگر پر چلاتے ہیں،
کبھی کبھی مراد و مرید ساکنین حظیرۃ القدس
کو اسکے استقبال کیلئے بھیجتے ہیں اور
بڑی مہربانی اور دلنوازی کے ساتھ اسکو
اپنے پاس بلاتے ہیں، کبھی کبھی پہاڑ کا پہاڑ
بخش دیتے ہیں اور کبھی ایک تنکا بھی نہیں

---

[1] مکتوب بست و ہشتم (۲۸)۔

پہنچوتے ہیں، کبھی بہشت کے صدر مقام پر بٹھاتے ہیں اور کبھی ایسا باہر نکالتے ہیں کہ دروازہ پر بھی نہیں چھوڑتے، یہاں عقل و علم سرنگوں ہیں اور پیر و مرید نقش بر دیوار، یہاں "فعال لما یرید" کا ظہور ہے اور "یضل اللہ من یشاء و یحکم ما یرید" کی تجلی

دریائے رحمت کا جوش

اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی و استغنا، اختیارِ مطلق، قدرتِ کاملہ اور جباری و قہاری کے متعلق اوپر ایسے اقتباسات گذر چکے ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ایک مخلص اور صاحبِ یقین کی زبان سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر و تحریر کی پوری قوت عطا فرمائی ہے پڑھنے والے پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کو اپنا کہیں ٹھکانا نظر نہ آئے۔ علمائے ربانی اور نائبین رسول بشیر و نذیر کا مظہر ہوتے ہیں اور وہ بندگانِ خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور عمل و کوشش پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہی انبیاء کی بعثت اور ان کے نائبین کی دعوت اور جد و جہد کا مقصود ہے۔ جلال کے ساتھ جمال، قہاری کے ساتھ غفاری کی شان بھی اسی وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور "رحمتی وسعت کل شیء" اور "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم" کی تفصیل اسی بلاغت اور طاقت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

جس طرح حضرت مجدد نے آفتابِ قہر کی تابش، سوزش اور حشمت و عظمت کی بے نیازی اور بے پروائی کو بیان کیا تھا، اب وہ اُسی زور اور بلاغت کے ساتھ دریائے رحمت کی طغیانی اور عطائے پروردگار ارحم الراحمین کی آمرزش و بخشش اور بندہ نوازی کا نقشہ کھینچتے ہیں اور اس طرح دعوت میں توازن پیدا ہوتا ہے جو انبیائے کرام -

کا ورثہ اور اُن کے نائبین برحق کا حصّہ ہے فرماتے ہیں:-

اے برادر چوں در لطف و رحمت حق
کرامت و مغفرت زند موجات معاف
معدوم و لاشی گردد ہر عیب و ننگ جرم
گیرد زیرا کہ ذلت و معصیت لم یکن ابتداست
و رحمت لم یزل است لم یکن بالزوال
کے برابر توانند شد او را ایں حادثاں کار
برحمت وسعت و اگرچہ زیں سیاہ گلیم
وجود ما ایں ذرۂ خاک ناپاک کے
تو ہر بود کے کرد ہر حاشیہ پاک
الستک نہ بودے مستے نیست خرابی
ورنہ بہ صد ریب شیطاں در دادے
نا امیدہ و ز رحمت روشنگار رشتی و ریز بلا
شہوات با امید و کلاہ وصل الفتوح
رسول مقبول چو پیدا آمد گفت حبیب
یقرئک السلام و یقول لی
معلک کلام:-

پیارے بھائی جب اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت
میں کرامت مغفرت کی موج اٹھتی ہو تو
لغزشیں اس عالم کی معدوم و فنا ہو جاتی ہیں
اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں، اس لئے کہ
ذلت و معصیت حادث و فانی ہیں اور
رحمت حق لم یزلی، حادث زوالی ابدی
اور لم یزلی کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں اس
مشت خاک کا سا ناپاک وجود اور رحمت
الٰہی جیسے وسعت ہو پھر اس وجود کی یہ
سیاہ گلیم درپیش نہیں ہے خاک ناپاک
کو کیا حوصلہ تھا کہ الست کے خمیر
بسا اوقات پر قدم بھٹکنے لگتے اہل خرابات ہیں
جن کے چہرے پر شیطان نے سیاہی مل دی ہے
اور جن کی قسمت کا ورق خرابات ہی باقی
کے دل میں اُٹھا ہے ناگاہ حبیب حق کا
قاصد نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ محبوب
حقیقی تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا ہے۔

۱؎ مکتوب پنجاہ و ششم (اردو)

وہ اپنے مکتوب الیہ کو جو ابتدا پڑھتے ہیں اور اصلاح حال، ترقی اور خدا کی محبت نیز طلب سے تمام کا ایسا شوق دلاتے ہیں کہ گویا ایک شاہی خزانہ ہے اور ساری دنیا کو بلایا جا رہا ہے اور یہی نہ رحمت جوش پر ہے اور یہاں نہ انہیں ہے کہ کوئی سوال نہیں اور یہ کہ مطلوب خود طالب کو بلا رہا ہے والا اور اپنی طرف کھینچ رہا ہے ورنہ کہاں یہ ظلوم و جہول، حادث و فانی انسان، کہاں وہ ملک قدوس لیس کمثلہ شیٔ ۔ ؎

تو مگو ما را بدان شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

در در کرم باز است و مائدہ کشیدہ	دروازہ کرم کھلا ہوا ہے اور دسترخوان
بشتاب جود داد یاب کہ بار داد آری	لگا ہوا ہے جلدی کرو اور اپنی مراد پا لو یعنی
کہ بشارت طلب رحمت عام بود آرم	بشریٰ یا بشریٰ کا سب کیا لیکن کرم بے نہایت
قیاس بخشا جو راسی گفت و دی تمام ام	تمام کر چھوڑا ہے نہ غلام کو گمنی و بخیز
دست تو طرب او نمود عیش را آئیہ آب	جس طرح کہ آفتاب اپنے برج سے طلوع کرتا
ابر مہ خویش فایع مرند آگرا جو مانم	ہے اگر اہل عالم کریمت بانعطیں کا ستے
کہ طلب در میان بنہند تا زہ از نو	ہو کا ایک قصد سے ہاتھ میں لیکر اس کا
اور بدست آمد تحفا نہ دو لکن وجود	پیدا ہوتی ہیں لیکن وہ خود اپنی سخاوت و فیض عام
بحکم کرم چنانکہ در گوش سلطانان رو	کی بنا پر جس طرح کہ شاہی سلطانی پر اوقات
سارے خواجگان بتابید در کلبہ گدایان	امرا پر جھکتا ہے اسی طرح فقیروں اور بے نواؤں کے
در زاویہ آمدہ صد لشیان بختیار بد	کلبہ احزان کو بھی روشن کرتا ہے تم
تم آب آمیں این و آب ابر کہ	خاک اور آب کے کھیت کیمرا اس وطن قیام کہ

یحبھم و یحبونہ دیگر — اللہ دیکھو کہ یحبہم و یحبونہ ارشاد
ولی الذین آمنوا دیگر سقاھم ہے ایک جگہ فرمایا ہے اللہ ولی الذین
ربہم چو ملک مقرب را ایں تشریف و خلعت آمنوا، دوسری جگہ فرمایا ہے وسقاھم
کہ ترا است نیست فرشتگان مقرب و ربہم، مقرب فرشتے کو بھی یہ عزت و خلعت
معصوم ہستند و پاکان و مقدسان و مسبحان حاصل نہیں جو تم کو حاصل ہے ملائکہ مقرب
و در عالیان ہستند لیکن خود کار آب و ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں،
گل دیگر است ؎ بڑی تسبیح و تقدیس کرنے والے اور بڑے عالی
. . . . ہیں لیکن آب و گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

کریم شکستہ نواز

رحمت کی اس وسعت اور خود رحیم کی دستگیری، چارہ سازی اور شکستہ نوازی کی بنا پر وہ بڑے سے بڑے عاصیوں اور آلودۂ معاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ رجوع و انابت سے کام لے اور صدق دل سے توبہ کر کے اپنی قسمت بدل لے، اپنی حقیقت میں بڑی سے بڑی تبدیلی پیدا کر لے، وہ اس موقع پر کالا بادل اور سامان بے قیمت چیزوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی دیکھتے دیکھتے قسمت بدل گئی اور وہ بے قیمت سے بیش قیمت بن گئیں۔ گناہ کتنے زیادہ ہوں خدا کی رحمت ان سے کہیں وسیع اور کہیں قوی اور غالب ہے۔ سونا کتنا ہی عیب دار و ناقص ہو جب نقاد خریدار نے خرید لیا تو پھر اس میں کیا عیب رہ جاتا ہے اور کسی کا کیا منہ ہے کہ اس میں عیب نکالے۔ فرماتے ہیں۔

اے برادر چونکہ آلودہ دلی چو سگ اے بھائی تم کتنے ہی آلودہ و خبیث ہو گئے
توبہ کن و امیدوار باش کہ از سحرہ توبہ تمام لو اور امیدوار رحمت بنو
فرعون آلودہ تر نہ، و از سگ اصحاب کہ تم ساحران فرعون سے آلودہ تر ہو اور
کہف ملوث تر نہ، و از سگ خود بیا نہ اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ گندے

چو از ترسا و از چوب حنانہ بے قیمت ارزد	تو طور سینا کے پتھر سے زیادہ ہو جاؤ اور
غلام و اگر چہ از حبش آمد ہمہ زبان ندارد	ستون حنانہ[1] سے بڑھ کر بے قیمت ٹھہرو
چون خواجہ اش کافور نام نہند	کہ اگر حبش سے پیدا کر لاتے ہیں تو کیا عجب
ملائک گفتند کہ بار الٰہا او ایشان دوست	کی بات ہے جبکہ اس کا آقا اس کو کافور
نیست مرا خدا آنکہ اگر بر بشر و فرستم	لقب دیتا ہے۔ جب ملائکہ نے عرض کیا کہ
بد کنید و اگر بر دست شما فرستم	جو کمالات معصیت کے فرشتوں کی طاقت میں
مقرب و معصیت ایشان از رحمت ما	آ نہ آئیں کہ اگر ہم اس کی معصیت سے دور ہوتے
زیادت آید و سیدنا آدم و ایشان	بھیجیں تو کر دینا اگر تمہارے ہاتھ
بر کمال قدوسی ما از آلودگی ایشان	سے بھی تو مت خریدنا بڑھ کر اپنی
خاک پا شد کہ در حضرت ما معتبر آمد	انسانوں کی معصیت ہماری رحمت سے
چون قبول آمد معصیت دولت ایشان	زیادہ ہوتی ہیں اس کے کہ تم نے جو ان کی
نا چیز شان کند۔	آلودگی ہمارے کمال قدوسیت پر لگ جاتی

دے گی، یہ مشت خاک میں جو ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں —

وہ جب مقبول ہیں تو ان کی معصیت آلودگی سے کیا نقصان[2]

شاعر نے خوب کہا ہے —— شعر

سرا سر داغ ہوں عیب ہے یہ بیکی خریدی ہے
نہ ہے کالا ہوئے پر عیب نہ ہے حسن خریدار کے

---

[1] ستون حنانہ — مسجد نبوی کی وہ کھجور میں ستون تھا جس کے سہارے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبر تیار ہو گیا اور آپ نے اس پر ایستادہ ہو کر خطبہ دینا شروع فرمایا تو اس ستون سے رونے کی آواز آئی اس ستون کی گریہ و زاری بند ہو گئی ۔۱۲

[2] مکتوب دوم (۲)

توبہ کی تاثیر

توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے توبہ کی کیفیت اور اس کی تاثیر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

توبہ این بود و گر بحقیقت اینجا آید	توبہ یہی ہوتی ہے اور مرید اس حقیقت
گردد و این را گردش خوانند یعنی از حالی	پر تائب ہوتا ہے اس کو گردش کہتے ہیں،
پلیدی و آلودگی بجای پاکی گشت کلیسیا	یعنی پلیدی اور آلودگی کی حالت سے پاکی
بود مسجد گشت بتخانہ بود معبد گشت بوزنہ	کی حالت میں تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا مسجد
بود آدمی گشت، خاک بود زر گشت،	ہو گیا، بتخانہ تھا عبادت گاہ بن گیا، بوزنہ
شب تار بود روز روشن گشت آں گاہ	تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا
بر دل مرید آفتاب ایمان طالع شود	اندھیری رات تھی روز روشن ہو گیا، اس
و اسلام جمال خود بدو نماید و بر سر	وقت مومن کے دل پر ایمان کا آفتاب طلوع
کوئے معرفت رہ یابد[1]	کرتا ہے اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے

اور کوچۂ معرفت کی راہ پاتا ہے۔

---

[1] مکتوب بست ونہم ربانی

* * *

باب ہشتم

مرتبۂ انسانیت

ایک انقلاب انگیز دعوت

کتاب کے مؤثر ترین حصوں میں سے ایک حصہ وہ ہے جو انسان کے مقام اور مرتبہ، قلبِ انسانی کی وسعت و رفعت، انسان کی علوِ ہمت اور اس کی ترقی کے امکانات اور محبت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھا گیا ہے۔

اس موضوع پر نظم میں حکیم سنائیؒ، خواجہ فرید الدین عطارؒ اور مولانا رومؒ نے بہت کچھ فرمایا ہے لیکن نثر میں حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے مکتوبات سے زیادہ طاقتور، بلیغ اور مؤثر تحریر نظر سے نہیں گزری۔ ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں اعتماد، صلاحیت و ہمت، امید و رجا، ترقی و پرواز اور ان انتہائی کمالات تک پہنچنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے جو انسان کے لئے مقدر ہیں اور اس یاس و ناامیدی، کم حوصلگی و بے اعتمادی، افسردگی و پژمردگی کا ازالہ ہوتا ہے جو "خود شکنی" و "خود انکاری" کے بعض کوتاہ اندیش مبلغوں نے پیدا کر دی تھی اور جس کے نتیجے میں انسانیت ننگ و عار اور ایک ناقابلِ اصلاح فطری عیب اور ناقابلِ تلافی تقصیر بن گئی تھی اور در و دیوار سے یہ صدا آنے لگی تھی کہ

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب[1]

---

[1] اے انسان تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔

اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ انسان کی ترقیات میں خود انسانیت سب سے بڑھ کر سنگِ راہ اور ایک سنگِ گراں ہے جس کو راستہ سے ہٹانا انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے، انسان اپنے کو مسجود و مسجودِ ملائکہ سمجھنے کے بجائے فرشتوں پر رشک کرنے لگا تھا اور اس کو اپنی فطرت اور خصائص انسانیت سے منحرف و باغی ہو کر اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرنے اور فرشتوں کی تقلید کرنے کا خواہشمند نظر آتا تھا۔

اس فضا میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ایک نامانوس آواز بلند کی اور اس جوش اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت، محبوبیت اور اس کے خلیفۃ اللہ ہونے کا اعلان کیا اور اس مضمون کو اپنے مکتوبات میں اتنے بار دہرایا اور مختلف اسالیب اور طرز تعبیر سے اس کو بیان کیا کہ اگر ان کو یکجا جمع کر دیا جائے تو اس موضوع پر ایک ایسا ادبی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جس کو پڑھ کر انسان کا دل جو صدیوں اور نسلوں سے مجروح ہوتا آیا ہے اور انسانیت کے قلب افسردہ اور قالب مردہ میں زندگی کی روح دوڑ جاتی ہے اور اس کو اپنی انسانیت پر ناز ہونے لگتا ہے۔

خالق کی نظرِ خاص

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودات و مصنوعات تو بہت تھے اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر لیکن محبوبیت، خلافت کی خلعتِ فاخرہ ضعیف البنیان انسان ہی کے جسم پر راست آنے والی تھی، وہ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں، اس سے گناہوں کا صدور مستبعد نہیں لیکن خالق کی نظرِ عنایت سب کی تلافی کے لئے کافی ہے اور یہ وہ پاسنگ ہے کہ ترازو کے جس پلڑے پر رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے گا۔ فرماتے ہیں: —

؂ موجودات بسیار بودند و مصنوعات	موجودات بہت اور مصنوعات بے شمار تھے
بیشمار لیکن با ہیچ موجودے این کار نبود	لیکن کسی ہستی کے ساتھ وہ معاملہ نہیں تھا

کہ آں مثل چوں سیاہ حضرت عزت خواست کہ آدم را
جامۂ لباس عباسی پوشانند و بر سریر خلافت
بنشانند ملائکہ مکرمین گفتند "اتجعل
فیہا من یفسد فیہا" لطف قدیم
جواب داد "لیس فی الحب مشورۃ" عشق
تدبیر ہمہ جمع شد تسبیح و تہلیل شما چہ
خطر اگر قبول نمودہ ایشاں را نہ کشند
چو عزت چوں ساقی لطف قدیم قدح عفو بدست
ایشاں نہند "فاولٰئک یبدل اللّٰہ
سیئاتہم حسنات" بہ شما ماست
وجود ایشاں ہر گونہ کہ نیکی چوں ایشاں
را خواہیم بساط رحمت گستردہ ایم اگر حبیب
خطے ز معصیت پدید آید محبت آشنا
بلطف پردازد شما آں کی بینید کہ مرا کار
ایشاں با ماست وصلت آں کہ بینید
کہ سر و کار با ایشاں است در محبت
چنانکہ قائلے گفتہ است۔ شعر

واذا الحبیب اتی بذنب واحد
جاءت محاسنہ بالف شفیع

جو اس شخص پانی کے مرید کے ساتھ تھا۔
جب حضرت عزت کو منظور ہوا کہ آدم کو
کہ دھبوں کا لباس پہنائے اور خلافت کے تخت پر
بٹھلائے۔ ملائکہ مقربین نے عرض کیا کہ آپ
دنیا میں ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنا کر بھیجنا
چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کرے گی لطف
قدیم نے جواب دیا "محبت میں مشورہ نہیں چلتا"
الغرض عشق کے مریض نہیں ہوئے۔ تمہاری
تسبیح و تہلیل کی کیا قیمت ہے۔ اگر ہم قبول نہ
کریں بندوں کو گناہوں سے کیا نقصان؟ اگر ہمارے
لطف و کرم کے ساقی عفو و معافی کا پیالہ ان کے
ہاتھ پر رکھ دے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی
برائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دے گا"
ہاں تم ہمیشہ سیدھے راستے میں چلنے والے ہو اور
دوسری طرف چلیں گے۔ لیکن جب ہم نے ان کو
چاہا تو رحمت کا فرش ان کے لئے بچھایا۔ اگر ان
کی پیشانی پر گناہ کی کوئی لکیر ڈالے گا تو ہماری
مہربانی اس کو مٹا دے گی۔ تم تو دیکھتے ہو
کہ معاملات میں ہم ان کے محبوب میں ہم

---

[۱] مکتوب سی و ہشتم۔ ۱۲

یہ نہیں دیکھتے کہ محبت میں وہ ہمارے مطلوب ہیں یا کسی

شاعر نے خوب کہا ہے ؎

کہ محبوب کے ایک گناہ نظر ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار ہا

سفارشی لا کر کھڑے کر دیتے ہیں

امانت محبت | ایک دوسری جگہ انسان کی محبوبیت و اختصاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

* مخلوقات گوناگوں با محبت کا نمونہ کہ	دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی سروکار نہ تھا
ہمت بلند فرشتہ و آں کا دعویٰ کر	کہ محبت بلند نہیں رکھتی تھیں ملائکہ کے
نہ سمجھی اس کی حسرت بیان شاں	کام میں جو تھم گیا انسان اور بیت پر نظر کی ہے
حدیث محبت نہ فرشتہ داں پیچید بے	وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدیث محبت کے
کہ وہ درد آدمیاں ہی بنی انسان ست	مخاطب نہیں اور یہ جو آدمیوں کے رو سے
کہا ایشاں حدیث محبت رفت کہ	میں نشیب و فراز آتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ
" یحبھم و یحبونہ " بس ہرگاہ	ان کے ساتھ محبت کا معاملہ ہے یہی چیز ہے
تخم محبت بشام او رسید دوست کو	مثلاً جہاں تک محبت کی خوشبو پہنچی اس کو
دل از سلامت برد و خود را در ع	چاہیئے کہ سلامتی کو سلام کہہ کے اور خود کو
کہ نہ المحبۃ لا تبقی ولا تذر	وداع کہ محبت کسی چیز کو رہنے نہیں
بیت ؎	شاعر نے کہا ہے ؎
عشق تو مرا چنیں خرابانی کرد	عشق تو مرا چنیں خرابانی کرد
ورنہ بسلامت بسامانم	ورنہ بسلامت بسا آبودم

چوں نوبت بدولت آدم در آمد خوش
در جوش شد ملکت اذاں گفتند چہ شمار
کہ چندیں ہزار سال تسبیح و تہلیل ما بار
بر ما ندہ آدم خاکی را برکشیدند بر ما گزیدند
ندا شنیدند کہ شما بصورت خاک منگرید ابدا
ودیعت پاک نگرید کہ بیچون و بیچگونہ
آتش محبت در نہاد ایشاں نہادہ است۔[1]

جب آدم کی قسمت کے اقبال کا ستارہ بلند
ہوا کائنات میں ایک تلاطم بپا ہوا کہنے
والوں نے کہا کہ اتنے ہزار سال کی ہماری تسبیح
و تہلیل کو نظر انداز کر دیا اور خاک کے پتلے
آدم کو سرفراز کیا گیا اور ہم پر ترجیح دی
گئی ۔ آواز آئی کہ تم مشت خاک کی صورت
کو مت دیکھو! اس پاک جوہر کو دیکھو جو ان کے
اندر ودیعت ہے ۔ بے چون و بے چگونہ ۔ محبت کی آگ
ان کے دلوں میں لگائی گئی ہے ۔

ایک دوسرے مکتوب میں اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"خدائے عز و جل را ہژدہ ہزار عالم است
ایں جملہ ازیں سوزش بے خبر اند و حظے
و نصیبے ندارند الا آدمی را ایں کرامت
ہیچ نوعے از انواع موجودات دیگر
را عطا نداد ازیں جاست کہ گفت
آنکہ گفت :"[2]

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں
یہ سب مخلوقات صورت سوز و محبت سے
بے تعلق ہیں یا ان کو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا،
یہ دولت تو آدمی ہی کے حصے میں آئی . . .
موجودات کی دوسری اقسام میں کسی کو یہ
یہ شرف عطا نہ ہوا! اسی لئے کسی کہنے والے
نے کہا ہے ؎

بیت ؎

بناہے بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

بناہے بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

---

[1] مکتوب جلد ششم (۴۷) [2] مکتوب جلد دوم ص (۵۹)

حاصلِ وجود ایک دوسرے مکتوب میں آب و گل کی اس قسمت عزت کا ذکر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ انسان ماحصل وجود اس لیے ہے کہ نظامِ خلق و تکوین کا مقصود ہے اور اس کو محبت و اختصاص حاصل ہے۔ فرماتے ہیں:-

"اے برادر دولت آب و خاک نہ اندک است	میرے بھائی مٹی پانی کا اقبال کچھ کم نہیں
ولقد کرّمنا آدمیاں را گفت حق عرش و کرسی و	اور آدم اور آدمیوں کا مرتبہ معمولی نہیں!
لوح و قلم و آسمان و زمین ہمہ بطفیل	عرش کرسی لوح و قلم آسمان زمین سب
اوست۔ استاد ابو علی رحمہ اللہ علیہ گفت	انسان ہی کے طفیل میں ہیں۔ استاد ابو علی
اگر آدم را خلیفہ گفت خلیل را اتخذ	دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے
اللہ[1] ابراھیم خلیلا گفت و	آدم کو اپنا خلیفہ کہا، حضرت ابراہیم کو
موسیٰ را واصطنعتک لنفسی	خلیل اللہ کا لقب دیا (واتخذ اللہ
گفت و ما را یحبہم و یحبونہ گفت	ابراھیم خلیلا) اور حضرت موسیٰ
گفتہ اند اگر این حدیث را با دل	کیلئے ارشاد ہوا کہ میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا
مناسبت نبودے دل خود دل نبودے	اور ہم مومنین کے متعلق ارشاد ہے :-
وگر خورشید محبت بر جانہائے آدم و	"یحبہم و یحبونہ" لوگوں نے کہا ہے
آدمیان نتافتے کار آدم چو موجودات	کہ اگر اس حدیث محبت کو دلوں سے مناسبت نہ
دیگر بودے :"	ہوتی تو دل دل کہلانے کا مستحق نہ ہوتا :"

اگر آفتاب محبت آدم و اولاد آدم کے جان و دل پر ضیا پاشی نہ کرتا تو آدم کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

---

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)

بارِ امانت

انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اسی بارِ امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے آسمان، زمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور اس ظلوم جہول انسان نے اسکو اپنے اوپر بے سوچے سمجھے اٹھا لیا۔ اس کی بے باکی اور بے نوائی کام آئی خاک کے تودے نے سوچا کہ اگر اس بارِ عظیم کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی تو اس کے پاس کیا جواب دیا جائے گا اور خاک کے نیچے کونسا گڑھا ہے جس میں اسکو سلا دیا جائیگا۔ وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی "ھل من مزید" کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ایک مکتوب میں جو آپ کے زورِ بیان اور تاثیر کے اعلیٰ نمونوں میں سے ہے فرماتے ہیں:۔

"آب و خاک را کارے عظیم دست داد	آب و خاک کا مرتبہ بلند ہے اور قسمت
کہ بایں بزرگی ہرچند فقر و فاقہ و گدائی	بڑی ہے ہرچند فقر و فاقہ گدائی اور حیرانی
و حیرانی اصل اوست چو آفتابِ امانت	اس کے خمیر میں داخل ہے لیکن جب
در آسمان عرض بیافت ملائکہ ملکوت کہ	آفتابِ امانت آسمانِ وجود میں درخشاں
بمقصد ہزار سالہ در دریائے تقدیس و تسبیح	ہوا ملائکہ ملکوت نے جو سات لاکھ سال
چریدہ بودند نعرۂ نحن نسبح بحمدک	سے تقدیس و تسبیح کے گلستان میں چرتے
زدہ مسکینی اندر تخت حیرانی بستند	تھا حاصل کر رہے تھے عاجزانہ اپنی
و بعجز خود معترف گشتند "فابین	بے بسی کا اظہار اور اپنے عجز کا اعتراف
ان یحملنہا" و چنیں آسمان گفت	کیا۔ "فابین ان یحملنہا"
مرا صفت رفعت است و زمین گفت	اور اس بارِ گراں کے اٹھانے سے معذوری
مرا صفت بسط است و کوہ گفت	ظاہر کی۔ آسمان نے کہا کہ میری صفت
مرا صفت ثبات است و ظلوم جہول	رفعت ہے، زمین نے کہا کہ میری صفت
گفت نسبا یکدگر دراں آشفتہ	فرش خاکی ہے، پہاڑ نے کہا میرا منصب

رہ ابد آں ذرۂ خاک بیاباں رحمت — پھر وہ نادری ادا ایک پاؤں پر کھڑا رہتا
نیاز از آستیں فقر و فنا تر بیروں نہ داد آں — سے جواہرات نے عرفاں کی نہ کبھی
بار امانت بجاں گرفت واز دو عالم — جیسا سے شیشہ میں بال نہ آجائے اس
بہ نعمت بہشتش گفت مرا چہ حاجت کار — خاک بیاباں کے ذرہ نے فقر و فنا قرآں
من بجز آنش چیزے را اگر خوار گفتہ — آستیں سے دستِ نیاز نکالا اور
در خاک ماند خاک ادر چہ انتہا فخر — اس بار امانت کو سینہ سے لگا لیا اور
پیش آمد باب تر کرد بہشت آسماں — دو عالم میں سے کسی چیز کا غم نہ کیا
در زمین کشیدہ زبر خود نہیب دادہ و نعرہ — اس نے کہا میرے پاس کیا ہے جس کو
"ھل من مزید" برزد — چھین لیں گے جب کسی چیز کو نہ لیا

کہتے ہیں جسے عشق نہیں ملتے ہیں جنس کو کس میں
ناچیز مہ ذرہ پڑھا اور اس بار کو جس کو ست
آسمان و زمین نے جبار ہلکے جنسی خوشی اٹھا لیا اور
"ھل من مزید" کا نعرہ لگایا۔

ذرۂ خاک کا اقبال

ایک دوسری جگہ اسی آب و گل کی قسمت و قیمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ شہباز محبت کو سینۂ آدم کے سوا کوئی آشیانہ نہ ملا آسمانوں کی بلندی اور عرش و کرسی کی وسعت سے گذرتا ہوا اس نے دل عاشق کو اپنا نشیمن بنایا، اسی بلاغت طراز قلم سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"آب و خاک را اندک مشمر بیرجہ — آب و خاک کو کم نہ سمجھو جو کچھ مانتے ہیں

لہ مکتوب چہل و نہم (۴۹)

ورد آب و خاک واندر ہر چہ آمدہ است	آب و خاک ہی کے اندر بھی اور جو کچھ
با آب و خاک آمدہ است و دیگر نقش	اس دنیا میں آیا ہے آب و خاک ہی کے
ہر چہ پیدا شد آوردہ آمد کہ چوں شہباز	ساتھ آیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ نظر
محبت از آشیانۂ عزت بپرید بعرش رسید	آتا ہے نقش بدیوار سے زیادہ نہیں
عظمت دید و در گذشت بکرسی رسید	کہنے والوں نے کہا ہے کہ شہباز محبت
وسعت دید و در گذشت بآسمان رسید	نے آشیانۂ عزت سے پرواز کی، عرش
رفعت دید و در گذشت بخاک رسید	کے پاس سے گزرا، عظمت دیکھی
محنت دید فرود آمد	گزر گیا، کرسی پر پہنچا، وسعت

دیکھی گزر گیا، آسمان پر پہنچا، رفعت دیکھی آگے بڑھ گیا

خاک پر پہنچا، محنت دیکھی اتر آیا۔

اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بنکر یوں ادا کیا ہے۔ ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

ایک دوسری جگہ انسان کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے اور اس کے حال پر اس کے پیدا کرنے والے کی نظر عنایت اور نگاہِ محبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اے برادر ما و را بایں آب و خاک	اے بھائی خالق کا اس آب و خاک کے
سروکاریست و در غیر است	ساتھ خاص معاملہ اور خاص عنایت
کہ چوں عزرائیل آہنگ جان کسے	ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ
از ایں است کہ از حضرت عزت	جب ملک الموت روح امت کی

بعد خطاب رسد کہ سلام و تحیت با
اہل بہشت سلام بے دست بیان او ورد
در کلام مجید شاہد کہ فرد اعلیٰ تعالیٰ
بے واسطہ بر مومناں سلام گوید کہ سلام
قولاً من رب رحیم کلا الٰہ
الا اللہ کلام او ازلی است و سلام او ازلی
اگر التفات قدیم ازلی بایں مشتِ خاک
کرم نبودے در ازل بایشاں سلام
نکردے عزتے بایں اشارت
کردہ است ــــ رباعی ــــ

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
در حضرت او بیہ پیامے باشد
در ظلمت شب کا تش خورشید منیر
قصہ چہ کنم کہ از ظلامے باشد

. . . .

ہے کسی کی مدح و تعریف کرتا ہے تو رب العزت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے کہ پہلے میرا سلام پہنچا پھر تحفہ۔ کیا تم نے قرآن مجید میں پڑھا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بے واسطہ مومنوں کو سلام بھیجے گا، فرمایا ہے:۔ سلام قولاً من رب رحیم۔ جس طرح لا الٰہ الا اللہ اس کا کلام ازلی ہے اس کا سلام بھی ازلی ہے اگر اس مشت خاک کے ساتھ یہ قدیم نظر نہ ہوتی تو ازل ہی میں اس کو سلام بھی نہ کیا جاتا۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو بیان کیا ہے ــــ

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد   در حضرت او بیہ پیامے باشد
در ظلمت شب کا تش خورشید منیر   قصہ چہ کنم کہ از ظلامے باشد

سِرِّ الٰہی کا حامل

ایک دوسرے مکتوب میں انسان کی شرافت اور اس کے منصب خلافت اور علوہمت کا راز یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ سرِ الٰہی کا حامل اور نفخت من روحی کے شرف سے مشرف، رسالت صحیفہ آسمانی اور دولت دیدار اس کی خصوصیات ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

---

[1] مکتوب پنجاہ و یکم (۵۱)

و حق تعالیٰ از میان ہژدہ ہزار عالم گروہے
نیافریدہ از آدمی بزرگ ہمت و ایں از انست
کہ ہیچ گروہ را "نفخت فیہ
من روحی" نگفت مگر آدمیان را و در ہیچ
گروہ پیغمبران و کتاب نفرستاد مگر
در گروہ آدمیان و بہ ہیچ گروہ سلام
نکرد مگر بر آدمیان و ہیچ کس را دولت
دیدار خود عطا نکرد مگر آدمیان را و آدمیان بودند
کہ از قوت ہمت خویش و بزرگی ہمت
خویش طاقت فراق نداشتند بدنیا از
دل ایشاں حجاب برداشتہ بعقبیٰ از
چشم ایشاں حجاب برداشتہ تا در دنیا
جز ویرا نخواستند و در عقبیٰ بجز وے
ننگریستند و ایں سبق در مکتب ما زاغ
البصر وما طغیٰ آموختند عزیزے
گفتہ است ؎

مثنوی

الا اے مرغ حکمت دآب و دانہ
چہ خواہی یافت بر زیں آشیانہ

حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی
گروہ انسان کے گروہ سے زیادہ عالی ہمت
نہیں پیدا کیا اور انسانوں کے سوا کسی گروہ
کے متعلق یہ ارشاد نہیں ہوا کہ "نفخت
فیہ من روحی" اور کسی گروہ میں
پیغمبروں کو مبعوث نہیں فرمایا اور نہ
آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور کسی گروہ کو
سلام ابتداءً کسی گروہ کو اپنے دیدار کی نعمت
عطا نہیں فرمائی وہ آدمی ہی تھے جو اپنی ہمت کی
قوت اور اپنی ہمت کی بلندی کی وجہ سے
طاقت فراق نہیں رکھتے تھے دنیا میں
ان کے دل سے حجاب اٹھا لیا اور عقبیٰ میں
اُن کی آنکھوں کے پردہ اٹھایا، اسی کا نتیجہ ہے
کہ دنیا میں وہ اس کے سوا کسی کے طالب نہیں
اور عقبیٰ میں اسکے جمال جہاں آرا کے سوا
ان کی آنکھوں نے کچھ نہ دیکھا۔ اور یہ سبق انہوں
نے مکتب مازاغ البصر وما طغیٰ
میں پڑھا تھا کسی شاعر عارف نے
خوب کہا ہے۔ ؎

بپرواز جہانی باز کن پر   ولا اے مرغ جلوت کاں زنم
سراپے جنت را باز کن در   چو خواہی یافت بزمِ آشیانہ
چو دانا تو بمسند حضرت نشینی   بہ پرواز جہانی باز کن پر
تو باشی جمع و خود را دو بینی   سراپے جنت در را باز کن سر

چوں تو بمسند حضرت نشینی
تو باشی جملہ خود ماندہ بینی

مسجود و محمود ایک دوسری جگہ انسان کا وہ مرتبہ بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائک اور محمود خلائق بن گیا ۔ تحریر فرماتے ہیں :—

اے برادر آنکہ ترا مسجود ملک کردہ است	پیارے بھائی جس چیز نے تم کو فرشتوں کا مسجود
محمود فلک گردانیدہ آں نقطہ عظیم است	اور افلاک کا محمود بنا رکھا ہے وہ ایک
ہر چیزے وجود تو آں کہ معنی سر و حقیقت	بڑی چیز ہے انسان اپنے وجود و معانی بن گیا
است کہ اسرار عقل و اوہام بشری اندر نیافت	ہیں کہ یہ معنوی اعتبار سے ایسا پوشیدہ ہے
آں معنی عاجز و فنا صرف چوں شعاع ایں معنی	ہے کہ عقل تو راز ادراک بشری اوہام اس کی
علم را تابید عقلہا حیران شوند و فلک	حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز و قاصر ہیں
سرگرداں بود و از تواضع دائم تحت خشی	جب اس معنی کی شعاع جلوہ فگن ہوتی ہے
از لوانامت بود و ما زادہ جائے آنجا شد خواہد	ملائک حیران اور آسمان سرگرداں ہوتا ہے
جمعا جوامع الکلم علیہ اشارت کردہ است ۔	وہ تواضع سے سر بگریبان اور بہ ہیبت

---

[1] مکتوب پنجاہ و سوم (۵۳) ۔

بزرگی لزوم برا انعام۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ نے

سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ــ

فرشتہ گر ببیند جوہر تو فرشتہ گر ببیند جوہر تو
وگر رہ سجدہ آرد بر در تو وگر رہ سجدہ آرد بر در تو
ز مسجود ملائک جوہر تست ز مسجود ملائک جوہر تست
ز تاجے از خلافت بر سر تست ز تاجے از خلافت بر سر تست
خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن
بگلشن شو گدا طبعی رہا کن بگلشن شو گدا طبعی رہا کن
بمصر اندر برائے تست شاہی بمصر اندر برائے تست شاہی
تو چون یوسف چرا در قعر چاہی[1] تو چون یوسف چرا در قعر چاہی

دل آگاہ

لیکن انسان اور نوع انسانی کی شرفیت اور خصوصیت میں مضغۂ گوشت کی وجہ سے ہے جس کو دل کہتے ہیں اور جس کی قدر و قیمت اور زندگی و قوت اس جوہر کی وجہ سے ہے جس کو محبت کہتے ہیں۔ دل کے متعلق فرماتے ہیں ــ

عرش بیافرید بمقربان داد و بہشت بیافرید عرش پیدا کیا مقربین کے سپرد کیا بہشت
بہ رضوان داد و دوزخ بیافرید بمالک داد پیدا کی رضوان کو اس کا پاسبان بنایا اور دوزخ
چون دل مومن را بیافرید گفت القلب پیدا کی مالک کو اس کا دربان بنایا لیکن
بین اصبعین[2] جب مومن کا دل پیدا کیا فرمایا دل رحمٰن

کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

---

[1] مکتوب پنجاہ و ہشتم (۵۸) [2] مکتوب چہل و سوم (۴۳)

ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت و قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۱۔

ہیچ چیزے عزیز تر از دل برسے تو بمعرفت	اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز اور قیمتی
خوش آنچنانکہ نبی ست بمعنی کہ	ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اسی میں رکھتا یعنی
گفت لا یسعنی سمائی و لا ارضی	معنی ہے اس ارشاد کے کہ ۔ میرا آسمان
و لکن یسعنی قلب عبدی	مجھے سما سکتا ہے نہ میری زمین ، اگر سمائے
المؤمن ! آسمان معرفت را انتہا نیست	گنجائش ہے تو مومن بندہ کے دل میں ، سما
ور زمین در خور آں نیامد دل بندۂ مومن بجو	میری معرفت کا اہل نہیں ، اور نہ اس بات
کہ بار رخت ، کشید آں رستم را ہم رخش	کی تحمل نہیں ، بندہ مومن کا دل ہی ہے جس نے
رستم کشید ، آفتاب سلطنت لم یزل کرد	اس بوجھ کو اٹھایا ، رستم کا گھوڑا ہی رستم کو
کرد عالم را اجسام و صور ثابت ز تجلی	اٹھا سکتا ہے لیکن جلال الٰہی کا آفتاب
از وہیچ چیز نیست یکبار بیش نتافت	جب چمکا اور جس سے زیادہ عالم اجسام میں
کہ ذرہ ذرہ گشت	تجھے والی اور عظیم کوئی چیز نہیں
"فجعلہ دکا"	جب ایک بار چمکا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گیا ۔
وہم در مرصد وسعت باز نیز دل	وجعلہ دکا تیری شان مرتبہ مومن کے قلب
مومن کی آیۂ وہل من مزید"	چمکتا ہے اور وہ ہل من مزید کا نعرہ لگا
نعرہ می زند و فریاد می کند العطش	رہتا ہے اور پکار رہا ہے ، العطش العطش
العطش تشنہ ام	پیاسا ہوں ۔

---

۱ مکتوب سی و ہشتم (۳۸)

شکستہ تر عزیز تر

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز ٹوٹ کر بے قیمت ہو جاتی ہے لیکن یہ جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے[1]۔ فرماتے ہیں :ـ

ہر چہ بود شکستہ چیزے قیمت ندارد	ٹوٹی ہوئی چیز کوئی قیمت نہیں رکھتی
مگر دل ہر چند شکستہ تر با قیمت تر، موسیٰ	مگر دل جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت
علیہ السلام در مناجات عرض گفت :ـ	ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک
الٰہی این اطلبک؟ فرمان شد	سرگوشی میں فرمایا کہ :ـ آپ کو کہاں تلاش
انا عند المنکسرۃ قلوبہم[2]	کروں؟ جواب ملا: میں ان لوگوں کے

پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔

محبت کی فرمانروائی

دل کا سرمایہ محبت ہے اور محبت تمام عالم اور سارے زمانوں کو محیط ہے۔ اس عالم سے اس عالم تک اسی کا سکہ رواں ہے۔ فرماتے ہیں :ـ

اول این حدیث است و میانہ این	حدیث محبت تینوں زمانوں پر محیط ہے۔
حدیث است و آخر این حدیث است	اول و آخر درمیان اسی کا دور دورہ ہے۔
امروز این حدیث است و فردا این حدیث	محققین نے کہا ہے کہ یہ عالم اور وہ عالم
است۔ محققان گفتہ اند کہ این عالم	سب طلب کے لئے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ
و آن عالم ہر دو برائے طلب است	وہ عالم، عالم طلب نہیں ہے؟ یہ ناممکن ہے۔

---

[1] اسی کو اقبال نے اس طرح کہا ہے ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

[2] مکتوب ششم (۶)

اگر کسے گوید کہ آں عالم عالم طلب نیست	ہاں نماز روزہ نہیں ہوگا لیکن طلب ہوگی
دریں مجال است کہ نماز و روزہ نیست	روز قیامت تمام احکام شرعیہ منسوخ
اما طلب ہست فردا ہمہ شرائع و احکام	ہو جائیں گے لیکن یہ دو چیزیں ابد الآباد
در گذشتہ اما ایں دو چیز ابد الآباد باقی‌اند	تک رہیں گی یعنی الحب للہ
الحب للہ و البغض للہ	والبغض للہ

عہ مکتوب چہل و ششم (۴۶)

باب ٩ نہم

تحقیقات و علوم عالیہ

بلند و لطیف علوم و مضامین

حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات میں نادر تحقیقات اور بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق و معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جا بجا ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں جو ذاتی تجربات کا نچوڑ اور سالہا سال کی ریاضتوں اور دینی علوم کا نتیجہ ہیں اور جن کو پڑھ کر وجد و سرمستی کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی نغمے سے بڑے طرب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

وحدۃ الشہود

اس کتاب میں بعض ایسی تحقیقات بھی ملتی ہیں جن کے متعلق علمی حلقوں میں عام خیال ہے کہ وہ صدیوں بعد کی تحقیقات ہیں اور جس صدی دو آخریں صدیوں میں منظر عام پر آئے اس سے پہلے کوئی شخص ان سے آشنا نہیں تھا۔ انہی تحقیقات میں سے ایک توحید شہودی یا وحدۃ الشہود کا نظریہ ہے، اس نظریے اور تحقیق کا چرچا حقیقتاً گیارھویں صدی ہجری سے ہوا جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الوجود کے متوازی اس کی دعوت اور وضاحت پیش فرمائی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی تقریر و تعلیم

اس کی اشاعت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کے سر ہے اور اس بارے میں انھوں نے جس تفصیل و تکمیل اور جس قوت و جرأت سے کام لیا وہ انھیں کا حصہ تھا اور وہ اس مسئلہ میں امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ڈھائی سو برس پہلے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر ملتا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا، یہ لکھتے ہیں کہ سالک پر جس کو وحدت وجود اور غیر حق کو عدم محض اور فنا کا حال سمجھا جاتا ہے وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسری موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے دیے کی روشنی مدھم اور فنا ہو جاتی ہے بے حقیقت ہو جاتی ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ۔

"نا بود دیگر است و نا دیدن دیگر"

کسی چیز کا نابود و معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز۔

اور فرماتے ہیں: یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے اور جہاں توفیق الٰہی اور مرشد کامل کی رہبری کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

"چنداں از نور ظہور حق پدید آمد پنہاں شود	ظہور حق کے نور سے سالک پر اس طرح غلبہ
کہ ہر ذرہ کہ موجود بینی دیدہ او در اثر نیست	ہوتا ہے کہ تمام ذرات وجود اس روشنی کی
آن نور چو ذرہ شمس مثال چراغ خفتہ	آب و تاب میں اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے
نہ بایں اند اخترش نور آفتاب مختفی در شود	ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے
آفتاب چو طالع شود ندانی کہ در وی نیست شد	ستارے ہوا ہو جاتے ہیں یا معدوم ذرات کو
ورنہ آنکہ ذرہ در آفتاب شد کلا انسان کہ	دیکھا نہیں جا سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ
ظہور نور آفتاب ستارہ را در تاریکی شد	ستارے موجود نہیں یا ذرے فنا ہو گئے
روئے نیست گشتہ در آنکہ دید خستہ	بلکہ بات یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے ظاہر

گردد تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً
و آں کہ بحقیقت نیست شود نابود آں
دیگر است و فنا فیہ دیگر۔ ؎

پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نو است
ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

تو چوں در آئینہ نگری آئینہ را نہ بینی زیرا کہ
مستغرق جمال خودی و تو انی گفت آئینہ
نیست شد یا آئینہ جمال خود یا جمال
آئینہ شد بر مثل ایں قدرت معذور است
ہمچنیں را بسبب تفاوت ایں صوفیاں
"الفناء فی التوحید" خوانند

بیت ؎

گوید آں کس دریں مقام فضول
کہ تجلی نداند او ز حلول

بسیار کس را ایں جا قدم بلغزیدہ است
جز بمدد توفیق و عنایت ازلی و بدرقہ
پیر رسیدہ و صاحب دیدہ شدہ
و فراز و نشیب ایں راہ گذشتہ است
از قہر جلال و لطف جمال چشیدہ ایں جا

ہو تو پر سولئے ہیچ جانے کہ ذرہ کا منہ
نہیں کہ وہ اپنی صورت دکھائے۔ اسی طرح سے
یہ بات نہیں کہ بندہ خدا ہو گیا۔ تعالی اللہ
عن ذالک علواً کبیراً اور یہ کہ بندہ
حقیقت میں معدوم ہو جاتا ہے نابود اور
معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر آنا اور
چیز۔ شاعر نے بھی صحیح کہا ہے۔ ؎

پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نو است
ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے
اس لئے کہ اپنے جمال میں مستغرق ہوتے ہو اور
یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ معدوم ہو گیا اور
یہ کہ آئینہ تمہارا جمال بن گیا ہے یا تمہارا جمال
آئینہ بن گیا ہے۔ قدرت کو معذور رکھے
اسے بالکل اسی طرح دیکھا جاتا ہے اور اسکو صوفیہ
فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ ؎

گوید آں کس دریں مقام فضول
کہ تجلی نداند او ز حلول

بہت لوگوں کا قدم اس جگہ پھسل گیا ہے

کسے قطع نتواں کردش　　　　تو نیز الحق بغایت ازلی و در شهود من پیدا

کہ بغیر مقام تحقیق پر پہنچے صاحب نظر اس راستے کے نشیب و فراز سے گزرا ہو۔ ترجمہ

جلال اور لطف جمال ظاہر کیے ہوئے ہے اس بادیہ کو کوئی قطع نہیں کر سکتا۔

تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں

اس موقع پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے سامنے دوسری روشنی کے معدوم ہونے کی جو مثال دی گئی ہے اور اس سے ثابت کیا گیا ہے کہ روشنی معدوم نہیں ہوتی صرف آفتاب کے سامنے مدھم پڑ جاتی ہے اور اس کا وجود ہیچ نظر آنے لگتا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی اسکے وجود کو وجود کہنا ہی صحیح نہیں ہے وہ تو اسکے مقابلہ میں معدوم ہی ہو جاتا ہے۔ ایک ہی چیز بیک وقت موجود اور معدوم نہیں ہو سکتی تھی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں جیسے آفتاب پانی کے چشمہ پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے اس سے پانی کی صفت بدلتی ہے پانی کی ذات تو نہیں بدلتی۔ دریا اس گرمی سے کبھی آفتاب نہیں بن جاتا فرماتے ہیں:-

یک سخن از من بگو چراغ را با عین آفتاب　　　　جیسے کوئی کہے کہ چراغ آفتاب کے سامنے
پیش وے چوں نور ولایت کلی آفتاب بود　　　　چراغ کی روشنی ہستی نہیں رہتی اس وقت
چوں از وجود او زنا بود وجود ولیک　　　　آفتاب ہی کا وجود رہ جاتا ہے صاحب
عدم از بود اگر ست گوئی کہ عدم ضد وجود است　　　　چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو
وجود ضد عدم و یک چیز در یک عالم　　　　اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے اگر
موجود بود و هم معدوم محال بود جواب　　　　کوئی کہے عدم وجود کا ضد ہوتا ہے اور چیز
آنست کہ این سخن در صفت است　　　　عدم کا ضد اور ایک چیز کا ایک ہی وقت

---

[1] مکتوب ہشتاد و ششم ۲۱۴

در صفات است کہ عین گردد صفات
تیرہ در خلق گردد ور آفتاب بر آب تابد
آب را گرم کند صفات آب بگردید و بدل
شود و ضمن آب گردد زیرا کہ عین آب
بر جا نیست و آفتاب در صفات آب
عمل کردہ در ذات آب وجود این
اجتماع ضدین نیست[1]۔

میں مسئلہ موجود ہوتا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گفتگو ذات کے متعلق نہیں صفات کے متعلق ہو رہی ہے ذات میں تغیر نہیں ہوتا صفات میں تغیر ہوتا ہے فطرت میں تغیر نہیں ہوتا، آفتاب پانی پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے پانی کی صفات بدل جاتی ہیں لیکن پانی کی ذات و فطرت نہیں بدلتی وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے آفتاب نے صفت میں عمل کیا نہ کہ ذات میں، ایسی حالت میں اجتماع ضدین کی کوئی بات نہیں۔

تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی

کاملین اور منتہیوں کی ترقی قطع مقامات اور ان کی باطنی کیفیات ایسی ہوتی ہیں جیسا کہ مبتدیوں کو در بعض اوقات ان کے ہم نشینوں کو بھی ادراک نہیں ہوتا انبیاء علیہم السلام اور ان کے کمالات کے وارثوں اور اولیاء کاملین کے کمالات اور کیفیات ایسی لطیف نازک اور مخفی ہوتی ہیں کہ کفار تو کجا اُن کے معاصر اور اُن کے صحبت میں رہنے والے اُن سے ناواقف اور بیگانہ رہتے ہیں، اور ان اہل وجد و شوق اور اہل جذب و سلوک کو ترجیح دیتے ہیں جو اُن کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے یہ حضرات کاملین جن کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کا ظرف، علو حوصلہ اور قوت تحمل عطا فرماتا ہے نہ گریبان چاک کرتے ہیں نہ دامن تار تار، نہ نعرے لگاتے ہیں نہ وجد میں آکر رقص کرتے ہیں اور اُن سے کثرت سے

---

[1] مکتوب ہشتاد و ششم ص ۹۱

کرامات و خوارق کا صدور ہوتا ہے، نہ وہ دعوی کرتے ہیں، نہ کسی کیفیت کا اظہار ہونے دیتے ہیں، ان کی وہ حال ہوتا ہے جو عارف شیراز نے بیان کیا ہے ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیان در طلبش بے خبرانند آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ رفتار جتنی تیز ہوتی ہے اسی قدر اس کی حرکت نظر نہیں آتی فرماتے ہیں۔ تیز آندھی کو سب محسوس کرتے ہیں لیکن نسیم سحری جو دلوں کی کلیوں کے ساتھ مسیحائی کرتی ہے اور چمن کو حیات بخشتی ہے، اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

رفتن چوں تیز گردد دیدار را عکس باشد رفتار جب تیز ہو جاتی ہے اس کا دیکھنا
گردد ہمچنیں کہ آں سنگ آسیا قیاس بند ہو جاتا ہے دیکھتے نہیں پن چکی
کہ می گردد از غایت رفتن ہر کہ نظر کند کے پتھر کی گردش جب تیز ہو جاتی ہے تو جو
گوید کہ ایستادہ است، خواجہ جنید را شخص دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ چکی بند ہے
رحمۃ اللہ علیہ گفتند چرا اے پیر سماع اور اس کا پتھر گردش نہیں کر رہا ہے۔
برنخیزی؟ او ایں آیت برخواند وتری حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ
الجبال تحسبہا جامدۃ وھی سماع کے موقع پر اپنی جگہ سے جنبش نہیں
تمر مر السحاب، شد رفتن بیں نہ بیند فرماتے، آپ نے یہ آیت پڑھی وتری
چوں رفتن تیز شود دیدہ را نیاید نسیم الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر
سحر چناں گذرد کہ کس را خبر نباشد[1] مر السحاب تم پہاڑوں کو دیکھو گے تو

---

[1] مکتوب چہارم (۲)

بزرگوں ہی کو دیکھو کہ حالانکہ وہ ایسے محقق تھے وہاں پر جب گئے تو ہماری نظر نہیں دیکھتے جب تک عامر
تنہا ہوتی ہے جو سمجھنے میں نہیں آتی تسلیم کرو اس طرح بیٹھی کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

خواہشات نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے

تربیت و اصلاح کے مسئلہ میں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ بہت سے طالبین صادقین خواہشات نفسانی کو جڑ سے ختم ہو جانا اور اس کا استیصال کلی ضروری سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سالک کیلئے ضروری ہے کہ اس میں جڑ سے کسی خواہش کا مادہ ہی باقی نہ رہے شیخ فرماتے ہیں کہ مقصود ازالۂ شہوات نہیں شکستگی شہوات ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے کہ اصلاح و تربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا جڑ سے نکل جانا اور اس کی صلاحیت کا مفقود ہو جانا نہیں بلکہ اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے اسی لئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر " والفاقدین الغیظ " نہیں کہا " والکاظمین الغیظ " فرمایا۔ اگر سرے سے غصہ ہی نہ ہو تو غصہ کو پی جانے اور اس کو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے۔ شیخ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں:۔

ہمچو حاجت آں کسے است کہ چناں	یہ اس شخص کی جہالت و حماقت ہے جو یہ
تن نہادہ کہ شریعت فرمودہ است کہ	سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ بالکل
از شہوت و صفات بشریت پاک باید	نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً
شد۔ اوراں روئی نتواند و ناامید باشد کہ	پاک ہونا چاہیے، اس لئے یہ غیر ممکن ہے
ہرگز شریعت چنیں نفرمودے رسول اللہ	کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صلی اللہ علیہ وسلم چنیں نگفتے کہ بشرم	فرمایا کہ میں بشر ہوں کسی وقت مجھے
و در خشم شوم و اثر خشم ہمے پیدا	غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر
مے شد و خشم و غضب وے قہر راہے	آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا

والکاظمین الغیظ ثنا می گوید
کہ خشم فرو خورند نہ آنرا کہ خشم ندارند
فرمایند کہ شہوت نہ باید کہ حضرت رسالت
صلی اللہ علیہ وسلم نہ حرم داشت و اگر
کسے را شہوت ساقط شود علاج باید
کرد تا باز آید کہ زجر است برائے فرزند
دیگری کہ در غزا کافران را خشم خیزد و کثرت
توالد و تناسل و ابقاء نام نیک از
شہوت خیزد و مطلوب چنین آری باید بود ہوا ست
توالد و تناسل یعنی پرورد نسلہائے
مہذب لازم است باید شہوت چنان
بودہ باشد کہ در فرمان شرع باشد
مانند اسپ در فرمان رائض و سگ در
فرمان صیاد و لیکن سگ باید کہ معلم بود
و اگر شہوت صیاد را آید و چو اسپ سرکشی
بجز آن کرد اما باید کہ ریاضت یافتہ باشد
و اگر صید را صیاد از گزین شہوت و خشم
پس سگ و اسپ است رسما آخرت
صید نتوان کرد بجائے آنکہ بود با شرط آنکہ صید کند

ارشاد ہے والکاظمین الغیظ۔
اللہ تعالیٰ انکی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو
دباتے ہیں اسکی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ
ہی نہیں اور کسی طرح شریعت محمدیہ نفس
کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کر سکتی ہے جبکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں
اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہو گئی
ہو تو اس کو علاج کرنا چاہیے کہ پھر پیدا
ہو جائے۔ جیسے کہ غصہ دلوں اور اعداء پر لادیا ہے
شفقت جہاد کی کافروں پر غصہ ہونا ضرور
کا سلسلہ اور نیک نام کا بقا۔ یہ سب چیزیں نفس کے
حسن تناسل اور توالد سے تعلق رکھتی ہیں
پیغمبروں نے اسکی تمنا کی ہے کہ انکا سلسلہ
نسل چلے لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ
خواہشات کو مغلوب رکھا جائے اور احکام
شریعت کے ماتحت جس طرح گھوڑا سائیس اور
کتا شکاری کے قبضے میں ہوتا ہے اگر ایسا
ہو جائے جس کی تربیت ہو چکی ہو اور شکار کی
ہی پر حملہ آور ہو جائے کہ شکار کے لیے

وشوند اگر غالب باشند سبب ہلاک بود	گھوڑے کی بھی ضرورت ہے لیکن ایسا گھوڑا
بس مقصود از ریاضت آن است کہ این	درکار ہے جو رام کر لیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار
ہر دو صفت شکستہ شوند و زیر دست	کو گرا دیگا اسی طرح شہوت اور غصہ کے
باشند و این ممکن است.	اور گھوڑے کی طرح آخرت کی سعادت کو

ان دونوں کو بالکلیہ ختم نہیں کیا جاسکتا لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور تابع رہیں اگر غالب ہوگئے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے۔ بس ریاضت اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں اور یہ ممکن ہے۔

کرامت بھی ایک بت ہے

[illegible] حضرت مخدوم صاحب[1] [illegible] ہر طرف کرامات کا چرچا ہے اور عوام اسکو بزرگی کی شرط اور مقبولیت کا معیار سمجھتے تھے حضرت مخدوم صاحبؒ اس خیال واہی پر تنبیہ تمام کے برخلاف ہدایت کرتے ہیں کہ کرامات بھی اہل اللہ کے لئے ایک حجاب ہے اور غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہو کر پھنسی ہیں اور اس لحاظ سے وہ بھی ایک طرح کا بت ہے جس کی نفی اور اس سے استغنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔

یکے از بتاں کرامات است کاں بت	کرامت بھی ایک بت ہے جس طرح کہ فر
تعلق کنندرا عدو باشند چوں او بت تیرا	بت سے تعلق رکھتے ہیں دشمن ہوتے ہیں
کنند اولیا گرز حدیث ما زاں کرامت	جب سمجھتے ہیں تعلق اور ہر ایک کا اظہار
است اگر باکرامت بمانند محجوب و معزول	کرتے ہیں دوست بن جاتے ہیں عاشق کو

---

[1] مکتوب بیست و دوم

گر بشند دیگر از کرامات تبرا جستند مقرب گردند
و واصل گردند ہم عزیزے گفتہ است ۔

پس کرامت سے اگر کرامت پر قانع اور مطمئن
ہو جائیں محجوب اور معزول ہوں، اور اگر
کرامات سے بے تعلقی کا اظہار کریں تو مقرب
اور واصل۔ کسی عارف نے کہا ہے ۔

قطعہ

زاہداں را جنت فردوس باید زرنگار
زاہداں را جنت فردوس باید زرنگار

عاشقاں را لذتے باید چو ہجراں یار بس
عاشقاں را لذتے باید چو ہجراں یار بس

لطف او با عام و خاص ہر یکے پیدا آمد
لطف او با عام و خاص ہر یکے پیدا آمد

قہر او در جنس دیگر کار و بار است کس
قہر او در جنس دیگر کار و بار است کس

ازیں جا است کہ چوں خدائے عزوجل
مر ایشاں را چیزے از کرامات پدید آرد
اندر دل ایشاں خضوع و خشوع زیادہ
گردد و تواضع بیشتر ازیں باشد
کہ بود ترس و خوف بعلت زوال گردد[1]

اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں
سے کرامات ظاہر فرماتا ہے تو ان کے دلوں میں خضوع
خشوع زیادہ ہو جاتا ہے فروتنی اور تواضع
پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور ان کے
خوف اور ڈر میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔

کشوف و کرامات اور استدراج :-

در آنچہ مر صدیقاں از کشف صدق
فراست چیزے پدید می آید از کرامات است

صدیقین پر کشف اور فراست صادقہ
میں سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور

---

[1] مکتوب ہشتم (۸)

مستقبل کہ پیش خواہد آمد ایشاں را روشن
می گردد باشد کہ بر بعضے ایں معنی نکشاید
و دریں جا قدحے لازم نیاید در حال
ایشاں نہ قدحے در حال ایشاں کہ کشف نگردد
از استقامت و آنچہ بر صدیقاں کشایند
آں سبب مزید یقین ایشاں باشد و دوامی
یا مزید صدق مجاہدہ و ثبوت نفس در اخلاق
حمیدہ باشد و اگر بیکے کشایند کہ اندر
سیاست شرع نباشد آں سبب مزید
عجب و غرور و حماقت بود و بآں معانی
ما را زیردست و حقیر داند و چنیں می باشد
کہ رشتۂ اسلام از گردن وے بیروں افتد
و از حدود احکام حلال و حرام منکر
گردد و پندارد کہ مقصود از عبادت بجز
فکر خدائی نیست ترک متابعت سنت
پیش گیرد تا در الحاد و زندقہ افتد
نعوذ باللہ منہا[لہ]

ہونے والے واقعات ہیں جو مکاشفات
ان پر منکشف ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بعض
لوگوں پر اس طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں لیکن
اس سے ان پر کوئی اعتراض اور ان کے کمالات میں
کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا، اعتراض اور
نقص کی چیز جادۂ استقامت سے ہٹ جانا ہے
صدیقین پر اس طرح کی جو چیزیں منکشف
ہوتی ہیں وہ ان کے یقین کے اضافہ کا سبب
ہوتی ہیں یا دوام حضور اُن کے مجاہدہ میں اور پختگی
اور اخلاق حمیدہ میں ان کی ترقی ہوتی ہے اگر
یہ حالات ایسے کسی شخص کو پیش آئیں
جو احکام شریعت کا پابند نہیں اور ان کے عجب
کا سبب اور اس کے فریب و حماقت کا
ذریعہ بن جاتے ہیں، وہ اس کے دھوکہ اور
غرور میں لوگوں کو مضطرب اور حقیر سمجھنے
لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام
کا رشتہ اس کی گردن سے باہر ہو جاتا

لہ مکتوب نود و ششم (۹۶)

ہے۔ اور وہ احکام الٰہی کی حدود اور حلال و حرام کا منکر بن جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ عبادت کا مقصد ذکر الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔ اور وہ سنت کی پیروی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندقہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

فضیلت خدمت :-

یک کار بزرگ مرید را خدمت است ورد
خدمت ترا بما و رضا صحبت است گرود
ہیچ عبادت و طاعت دگر نیست یکے
آنست کہ نفس مردہ شود و کبر و نخوت
خواجگی ہا ببرد و تواضع دہد بہ مرید
آید دل و ناموس بگرد اندر اخلاق تبا
با نیکو گرد اندر علوم طریقت آموزد
و تیرگی و گرانی نفس از دے ببرد او
لطیف و سبک روح گردد ظاہر و باطنش
روشن شود و این فوائد مخصوص است
بخدمت بزرگے را پرسید کہ سلوک حق
چند است گفت بعدد ہر ذرہ از موجودات
راہے است لیکن ہیچ راہ نیکوتر
و نزدیک تر از راحت رسانیدن

سالک کیلئے ایک اونچا کام خدمت ہے خدمات میں موزوں اور رضا صحبتیں ہیں جو کسی دوسری عبادت و طاعت میں نہیں۔ ایک یہ کہ نفس مردہ ہو جاتا ہے اور بڑائی و سرداری کبر و نخوت نکال دیتی ہے اور تواضع و عجز پیدا ہوتا ہے خدمت اسکو مہذب اور صاحب بنا دیتی ہے اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی ظلمت اور گرانی کو دور کرتی ہے۔ انسان کو لطیف اور سبک روح بناتی ہے اور اسکا ظاہر و باطن روشن ہو جاتا ہے۔ یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا خدا تک پہنچنے کے کتنے

بدلہا نیست ما بدیں راہ رسیدیم و بدیں
مریداں را وصیت کردیم و گفتہ اند بزرگاں
کہ اوراد و طاعات ایں طائفہ زیادت
از آنست کہ در بیان آید و چوں
ازاں ہمہ فارغ شوند ہیچ ورد
و طاعت فاضل تر و بافائدہ تر از
خدمت کردن یکدیگر
نیست۔[1]

راستے ہیں انفسوں کے برابر اگر موجودات
اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک
پہنچنے کی راہیں ہیں لیکن کوئی راستہ دل کو
راحت پہنچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک
تر نہیں اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے
اور اپنے متعلق والوں کو اسی کی وصیت کی ہے
بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گروہ کے اوراد و
طاعات بیان سے باہر ہیں اور جب ان
سب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی ورد و طاعت ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے زیادہ افضل اور مفید نہیں۔

نفس کی اصلاح کا معیار

نفس کی اصلاح کا معیار ان حضرات کی نظر میں بہت بلند ہے۔ حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس دعوئ خدائی سے دست بردار اور خواہشات و شہوات کی گرفتاری سے آزاد ہو گیا ہے اور تربیت و اصلاح کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین کے نزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے اور احکام شریعت میں رخصت تاویل سے کام نہ لے، اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور جبلت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس جانور کے مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا نمونہ اور مظہر ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

---

[1] مکتوب ہشتاد و یکم (۸۱)

۱۷ اے برادر نفس آدمی مکارہ زندیدہ است
ہمہ دعویٰ دروغ کہ مردان لاف عہد کر خواندیہ
رستہ است تا تو بے برہان باید طلبید
و برہان بر این نیست مگر آنکہ بحکم خود
قدمے نہ نہد بحکم شرع در رود اگر ہیچ
بطوع تن در دہد تو اعداد ز دست می گیرد
اگر در احکام شریعت رخصت تاویل طلبد
موافق ہوا و شہوت آن مدبر ہنوز اسیر
ہوا است اگر اسیر خشم است سگے است
در صورت آدمی و اگر اسیر شکم است
بہیمہ است و اگر اسیر شہوت نفس
است خوکے است و اگر اسیر جامہ
و تجمل است زنے است در صورت
مرد، مگر کسے کہ خود را باحکام اوامر
شرع چنانکہ باید و شاید
در عنان خود بدست شریعت دہد
تا چنانکہ آدمی گردد می تواند گشتن آنگاہ
صفات او اسیر او شدہ باشد
پس کسانیکہ با بصیرت بودہ اند

میرے بھائی آدمی کا نفس مکار دھوکا دینے
والا ہے وہ جیسے دیکھنے میں آتا ہے ویسا اندر
لاف زنی کرتا ہے کہ خواہش نفس میں ہی
محکوم ہو گئی ہے اس کا ثبوت
مانگنا چاہیئے اور اس کا ثبوت صرف یہ ہے
کہ وہ اپنے حکم سے ایک قدم نہ ہٹائے
شریعت کے حکم سے منہ نہ پھیرے اگر ہمیشہ وہ
شریعت کی اطاعت میں سرگرمی دکھاتا ہے
تو صحیح کہتا ہے اور اگر احکام شریعت میں بھی
ہوا اور خواہش کے موافق رخصت و تاویل
چاہتا ہے تو وہ بے اقبال ابھی تک
اسیر نفس ہوا ہے، اگر غصہ کا غلام ہے
تو وہ ایک کتا ہے آدمی کی شکل میں،
اگر پیٹ کا غلام ہے تو ایک جانور ہے
اور اگر وہ شہوانی خواہشات نفس کا اسیر ہے
تو وہ ایک سور خنزیر ہے، اور اگر وہ لباس
و زینت کا غلام ہے تو وہ عورت ہے مرد کی
صورت میں، لیکن جو شخص اپنے کو احکام شریعت
کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا

و کار ما را چنانکہ بود بدید تا نفس باز   امتحان لیتا رہتا ہے اور آخر اپنی
پسیں لگام تقویٰ از سر نفس خود فرو   باگ شریعت کے ہاتھ دے دی ہے جس
ننہاد و مرد[1]   طرف وہ پھیرتی ہے اسی طرف کو پھر

جاتا ہے اُس وقت اس کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی صفات اس کی محکوم اور زیر فرمان ہو گئی ہیں، جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت دی تھی اور جو حقائق پر نظر رکھتے تھے وہ دم واپسیں تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوف الٰہی کی لگام دیئے رہے۔

---

[1] مکتوب نود و ششم (۹۶)

باب دہم

حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا، معرفتِ الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا افشا فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحینِ امت اور محققین کی طرح آپ کا بھی عظیم و روشن کارنامہ ہے کہ انھوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض سر انجام دیا، مسلمانوں کے دین و ایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت و تصوف کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بعض غلط صوفی جاہل مشائخ اور زندقہ و باطنیت سے متأثر اشراقیوں کی دعوت و تبلیغ سے ہندوستان جیسے نو مسلم ملک میں (جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں کتاب و سنت سے براہ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شرعیہ سے کمزور اور محدود تھے) سحر کا اثر رکھتے تھے، انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب مغالطوں و تخیلات پر ضرب لگائی جن کے پردہ میں یہاں الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا۔

اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت مؤثر و طاقتور وکالت اور تبلیغ کی، دوسری طرف حقائق و معارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے اشراق اور کشف و شہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے، ریاضات و مجاہدات کی طویل ترین و دشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے اور اس میدان میں ان کا مرتبہ "امامت و اجتہاد" تک پہنچا سب کو تسلیم تھا اسلئے اس بارے میں ان کی تصریحات و تحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحب "اشراق و کشف" کیلئے آسان نہیں تھی، ان کا معاملہ یہ تھا کہ ع

ہوں اس کوچے کے ہر ذرے سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

نبوت ولایت سے افضل ہے

ایک عرصہ دراز سے تصوف کے بعض حلقوں میں یہ خیال یا بحث ہو رہی تھی کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے اور یہ کہ ولایت نام ہے توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق خلق سے ہے اسلئے ولی متوجہ بحق ہوتا ہے اور نبی متوجہ بخلق اور متوجہ بحق ہونے کی حالت متوجہ بخلق ہونے کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہے بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط کی تھی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت عام طور پر نبوت سے افضل نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے اور نبی جب مشغول بالحق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے۔

لیکن اس کی جو بھی تاویل کی جائے اس عقیدہ و خیال سے نبوت کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا اس کی اہمیت و عظمت کم ہوتی تھی اور انکار و زندقہ کا ایک دروازہ کھلتا تھا، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس عقیدہ کی پرزور تردید فرمائی اور بڑی قوت و صراحت سے ثابت فرمایا کہ نبوت کا مقام ولایت سے کہیں بالا و ارفع ہے نبی کے تمام احوال و مقامات ولی کے احوال و مقامات سے افضل ہیں بلکہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی تمام عمر سے

افضل ہیں۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے بڑی محققانہ و عارفانہ باتیں لکھی ہیں اور چونکہ وہ خود ولایت و معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اس لئے ان کا فرمانا محض ذہانت اور علم کے زور کا نتیجہ نہیں، تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے کہ ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

> جاننا چاہئے جو شخص اس دین کو معلوم ہو کہ بالاتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاء پیغمبروں کے تابع ہیں اور انبیاء اولیاء سے افضل ہیں جو ولایت کی بنا ہے، وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا۔ علماء اہل سنت والجماعت اور اس طریق کے محققین میں اس مسئلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ہاں حشویہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ اولیاء تمام اوقات میں مشغول بحق ہوتے ہیں اور انبیاء اکثر اوقات خلق میں مشغول رہتے ہیں۔ پس جو شخص مشغول بحق ہو وہ افضل ہوا اس سے جو کسی کسی وقت مشغول بحق ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص جس کو صوفیہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور وہ ان سے نیک گمان رکھتا ہے، اور ان کی پیروی کا دم بھرتا ہے، اس کا قائل ہے کہ مقام ولایت مقام نبوت سے برتر ہے، نبی کو علم ظنی ہوتا ہے اور ولی کو علم اسرار الٰہی کو ایسے اسرار معلوم ہوتے ہیں جن سے انبیاء بے خبر ہوتے ہیں۔ انھوں نے اولیاء کے لئے علم لدنی ثابت کیا اور اس کا استنباط حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ

سے کیا، انھوں نے کہا کہ خضرؑ ولی تھے اور حضرت موسیٰؑ نبی، حضرت موسیٰؑ پر وحی ظاہر آتی تھی جب تک وحی نہ آتی ان کو کسی واقعہ کا راز اور کسی بات کا بھید معلوم نہ ہوتا، حضرت خضرؑ کو علم لدنی حاصل تھا، اسی کی وجہ سے وہ بغیر وحی کے غیب تک جان لیتے یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کا شاگرد بننے کی ضرورت پیش آئی اور سب کو معلوم ہے کہ استاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے ـــــ

لیکن یہ یاد رہے کہ اس طریق کے پیشواؤں کے دین پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ہرگز وہ ایسے اقوال و عقائد سے بیزار ہیں اور اس کو ہرگز ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں کہ کسی کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہو سکتا ہے یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہے باقی موسیٰؑ و خضرؑ کے قصہ کا جواب یہ ہے کہ خضرؑ کو فضیلت جزئی حاصل تھی اور وہ خاص واقعات کا علم لدنی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلق فضیلت حاصل تھی، فضیلت جزئی فضیلت مطلق کو منسوخ نہیں کرتی، جیسے کہ مریمؑ کہ ان کو ایک طرح کی فضیلت حاصل تھی کہ مرد سے تعلق کے بغیر حضرت عیسیٰؑ ان سے پیدا ہوئے لیکن یہ فضیلت حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کی فضیلت پر غالب نہیں اسلئے کہ ان کو فضیلت مطلقہ حاصل تھی تمام دنیا کی عورتوں پر یاد رکھو اگر تمام اولیاء کے تمام احوال و کمالات انفاس زندگی کو نبی کے ایک قدم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے تو وہ ہیچ اور معدوم نظر آئیں گے۔ اولیاء جس چیز کے طالب ہیں اور جس چیز کے لئے سفر طے کرتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں، انبیاء اس مقام پر پہنچ چکے ہیں اور اس کو پا چکے ہیں۔ انبیاء دعوت کا کام بحکم الٰہی انجام دیتے ہیں اور ہزارہا

لاکھوں بندگانِ خدا کو خدا رسیدہ اور واصل بناتے ہیں۔

انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے :-

پس انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے اس لئے کہ جب اولیاء نہایت کو پہنچتے ہیں تو مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجاب بشریت سے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشری رہتے ہیں پیغمبر پہلے قدم میں ہی مقام مشاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتداء۔ انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا توبہ توبہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں ہے جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک و تصرف سے مخفی ہے اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اولیاء انبیاء کی صفات میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء اولیاء کے مقابلہ میں اڑنے والے ہیں، دوڑنے والا اڑنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب :-

انبیاء کا جسم خاکی باہمی صفائی، خوب پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے اسرار و مافی الضمیر کے برابر ہے، یعنی عظیم الشان فرق ہے، اس شخص کے درمیان جس کے جسم کو وہاں لے جائیں، جہاں دوسرے کا

راز و نیاز پہنچ سکتا ہے۔[1]

شریعت کا لزوم و دوام

اسی طرح تصوف کے بعض حلقوں میں ایک مغالطہ پھیلا ہوا تھا کہ شریعت کی پابندی اور پیروی کی ضرورت ایک خاص وقت اور ایک خاص حد تک رہتی ہے۔ جب سالک مقام تحقیق اور مرتبۂ یقین پر پہنچ جاتا ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شریعت کی پابندیوں اور فرائض شرعی سے آزاد اور مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ نے بھی خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی اور بہت سے ملحد اور بے عمل صوفیوں اور جاہل مشائخ نے اس کے ذریعہ بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا اور بعض حلقوں میں اس سے نہ صرف انتشار و بے عملی بلکہ الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا۔ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مشہور آیت "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین"[2] سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبادت و اتباع شریعت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہنا چاہیے جب تک یقین حاصل ہو جائے، یقین حاصل ہو گیا تو پھر تمام تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین نے اس گمراہ کن عقیدہ اور مغالطہ کی زبردست تردید کی، ان کے متعدد مکتوبات اس موضوع پر ہیں جن میں انھوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ شریعت کی پابندی دم واپسیں تک رہتی ہے اور کسی حال اور کسی وقت میں نہ تکالیف شرعیہ اور فرائض و نہی ساقط ہوتے ہیں اور نہ کوئی انسان ان سے مستغنی ہے۔

---

[1] مکتوب بستم

[2] اس آیت کی تفسیر کے لئے محققین کی تصنیفات و مستند تفاسیر ملاحظہ ہوں، مشہور تفسیر یہ ہے کہ یقین سے مراد موت ہے۔ ۱۲

شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

برادر عزیز شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہل ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترک معصیت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشات نفس شکستہ اور صفات بشریہ مغلوب ہو جائیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد اُن پر غالب آجائے اور دل ظلمات بشریت سے ذکر الٰہی کے اثر سے صاف ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں معرفت اور بندگی کی حقیقت اس کو حاصل ہو جائے، شریعت کی پابندی کعبۂ وصال تک پہنچنے کی ایک راہ ہے، جو شخص کعبۂ وصال کو پہنچ گیا، اس کو راستہ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے۔ پس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر یہ نماز پڑھیں گے تو وہ اُن کیلئے حجاب ہو جائے گی، اسلئے کہ ان کو وصول حاصل ہو چکا ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائمی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور نماز کی تکبیر کا مقصد یہ ہے کہ غافل دل کو حضوری ہو جائے۔ ہم تو خود ایک لمحہ بھر غافل نہیں ہیں۔ ہم عالم ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں، انبیاء کے وجود مقدس میں رکھے جاتے ہیں، ہم کو ان عبادات اور فرائض شرعی کی کیا ضرورت ہے —

درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدم کو سجدہ سے کیا حاصل، آدم اس سے کمتر ہیں، مجھے اس کا سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا تذکرہ اقساط کے طور پر نہیں بیان کیا ہے، وہ انہیں

لوگوں کی عبرت کے لئے بیان کیا جو اس مغالطۂ شیطانی میں گرفتار رہیں، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی بھی مقرب کو شریعت کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں، بزرگان دین نے تنبیہ فرمایا ہے کہ شریعت کی پیروی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے، انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

بقاء شریعت کا راز —

شیطان نے یہاں ایک نکتہ اس گروہ کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے، اس نے یہ باور کرایا کہ شریعت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جب حضوری حاصل ہو جائے لیکن یہ غلط ہے، شریعت کا اسکے علاوہ بھی مقصود ہے، مثلاً پانچ وقت نمازیں ایسی ہیں جیسے کسی دریچہ کمان میں پانچ کیلیں لگی ہوں، اگر کیلیں الگ ہو جائیں تو وہ دریچہ کمان سے جدا ہو کر گر جائے جیسے خود ابلیس گر گیا، اگر کوئی کہے کہ یہ پانچ نمازیں کس طرح پانچ کیلوں کی طرح ہیں جن سے کمان کا یہ دریچہ تھما ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سمجھنا انسان کی طاقت میں نہیں، یہ در حقیقت ایسا ہی ہے جیسے اشیاء اور ادویہ کے خواص، عقل اس کی وجہ دریافت نہیں کر سکتی، جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اسکا سبب کیا ہے۔

ایک لطیف مثال

نماز، فرض شرعی اور شریعت کے احکام کی دنیا جہان میں کیا کیا حکمتیں ہیں اور وہ انسان کے دین، ایمان اور اپنے خالق کے ساتھ تعلق کی اور منصب بندگی کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اور ان کی ترک سے کس طرح انسان کا دین، ایمان

اور اس کا تعلق برباد ہو جاتا ہے اور وہ کس طرح نفس و شیطان کا شکار ہو کر ہر اعتبار سے ساقط اور راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس کو ایسا سمجھو کہ ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں، جب اس کا آخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہے کرنا لیکن ایک خوشبودار گھاس کا ایک گٹھا جو یہیں رکھا ہوا ہے، جب وہ جائے خشک ہو جائے اس کو ہرگز نہ پھینکنا۔ جب برسات آئی تو پہاڑ و میدان سب سرسبز ہو گئے۔ بہت سی تازہ اور خوشبودار گھاس پیدا ہو گئی جو اس پرانی گھاس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں سے بہت سی گھاس اور پھول اس محل میں آ گئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو معطر کر دیا اور اس کے سامنے اس پرانی رکھی ہوئی گھاس کی خوشبو دب گئی۔ لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھاس اس محل میں اس لئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے معطر ہو، اب یہ سوکھی گھاس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھاس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اس گھاس سے خالی ہو گیا، ایک کالے سانپ نے سوراخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اس کا کام تمام ہو گیا، سبب اس کا — یہ تھا کہ اس گھاس کے دو فائدے تھے: ایک یہ کہ وہ خوشبودار تھی اور دوسرے اس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے سانپ اس کے قریب نہیں جا سکتا، گو وہ سانپ کا تریاق تھی، یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی

لڑکے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا۔ وہ سمجھا کہ جو اس کے معلومات کے دائرہ میں نہ ہو گویا کہ قدرت خداوندی کے خزانہ میں بھی موجود نہیں۔ اس نادان آیت کا مفہوم نہیں معلوم تھا: وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ وہ اپنی بات کے غرور میں پڑ گیا۔ اسی طرح یہ صاحبِ کشف و کرامت گروہ اس مغالطہ کا شکار ہوا کہ شریعت کا جو راز ہم پر منکشف ہو گیا اور اس کی جو حکمت انھوں نے سمجھی اس کے علاوہ نہ کوئی راز ہے اور نہ کوئی حکمت، حالانکہ یہ ایک بڑی زبردست غلطی ہے جو اس راہ کے سالکین کو کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بہت سے لوگ اس کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں نے راہِ شریعت کا ایک ہی مقصد سمجھا اور یہ نہیں سمجھے کہ اس میں دوسرے اسرار بھی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اگر دوسری حکمتیں نہ ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی نمازوں کی کیا ضرورت تھی جس سے پائے مبارک میں ورم آ جاتا تھا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اُمت پر واجب ہے پیغمبر پر نہیں۔[1]

علماء اور مشائخ کاملین کا اُسوہ:-

وہ علماء و مشائخ واصلین جو درجۂ کمال پر پہنچے۔ انھوں نے سمجھا کہ شریعت کی پابندی میں ہر پابندی ایک راز ہے جس سے آخرت کی سعادت مربوط اور وابستہ ہے۔ یہاں تک کہ ان بزرگوں نے اپنے دمِ واپسیں تک آدابِ شریعت

---

[1] مکتوب ہفتہ ہم - ۱۲

میں سے ایک ادب بھی ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خادم انتقال کے وقت وضو کرا رہا تھا، وہ داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنت بجالائے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسے وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں؟ فرمایا: "ہم خدا تک اسی کی برکت سے پہنچے ہیں"۔ اہل کمال کا یہی شعار تھا اور غریب خوردہ لوگ جلدی دھوکہ میں آجاتے ہیں، جس چیز کو وہ نہیں دیکھ سکے اور جو چیز ان کی سمجھ میں نہیں آئی وہ سمجھے اس کا وجود نہیں، فجر کی نماز دو رکعت ہے، ظہر کی چار رکعتیں، عصر کی نماز چار رکعتیں، مغرب کی تین، عشاء کی چار، پھر ہر رکعت میں ایک رکوع، دو سجدے ہیں، ان سب میں ایک سر اور خاصیت ہے جس کو حصول کمال میں خاص دخل ہے اور انتقال کے وقت تک ان کی پابندی کرنے کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی کمال مفید نہیں، اگر سالک ان کو چھوڑ دے گا اور دنیا سے چلا جائے گا، اپنے کو تباہ دیکھے گا، اس وقت پوچھے گا کہ وہ میرا کمال کیا ہوا؟ جواب دیا جائے گا کہ کمال کے تختے میں کیلیں نہیں تھیں، مرنے کے وقت وہ جڑ سے اکھڑ گیا، جیسے کہ ابلیس کے تمام کمالات ایک نافرمانی کی وجہ سے خاک میں مل گئے"۔[1]

حضرت شیخ شرف الدین اس بارہ میں اتنے راسخ الاعتقاد اور متشدد تھے کہ ایک مکتوب میں اس عقیدہ کو کہ شریعت کی پابندی خاص حالات و مقامات پر ضروری نہیں، زندقہ

---

[1] مکتوب نمبر ۲۰۱

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"و ایں غلط است و مذہب ملحدان	یہ غلط ہے اور ملحدین کا مذہب ہے جو کہتے ہیں
آنست کہ گویند یکے بے دیگرے روا باشد	ایک دوسرے کے بغیر روا ہے اور کہتے ہیں
و گویند چوں حال حقیقت کشف گشت	جب حقیقت تک رسائی ہو گئی اور کشف
شریعت برخیزد و لعنت بریں اعتقاد	شہود حاصل ہو گیا تو شریعت کا حکم اٹھ گیا
باد و بریں مذہب[1]"	لعنت ہے اس عقیدہ اور اس مذہب پر

شریعت کی شرط

وہ تمام محققین صوفیہ کی طرح شدت کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ سلوک و طریقت شریعت کی پیروی اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"جو شخص طریقت میں شریعت کا پابند نہیں ہوگا اس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو گئی تو شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر ظاہر بے باطن نفاق ہے اور باطن بے ظاہر زندقہ ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس ظاہر حقیقت باطن کے ساتھ پیوستہ ہے ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوستہ ہے کہ کوئی شخص اسکو علیحدہ نہیں کر سکتا[2]۔"

---

[1] مکتوب بست و ششم - ۱۲

[2] مکتوب بست و ششم (ج ۱): ۱۳ -

اتباعِ محمدیؐ سے چارہ نہیں

حضرت مجددؒ مکتوبات میں بڑے جوش و خروش اور بڑے ذوق و یقین کے ساتھ اس بات کی تبلیغ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں آپ کی پیروی کے بغیر نہ نجات ممکن ہے نہ حقیقت تک رسائی نہ کمالات نہ سعادتِ اخروی کا حصول۔ ایک مکتوب میں[1] "قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ" کی تلقین و تفسیر کرتے ہوئے کسی پیشرو شاعر عارف کے اشعار جو خود ان کے دلی جذبات اور کیفیات کے ترجمان ہیں نقل کرتے ہیں ؎

او دلیل آمد و تو زندہ دلی　　او زبان آمد و تو [illegible]
چون براہ دگر نرفت سلطان　　ہر چہ او کرد کرد و حق آن
خاک او باش و پادشاہی کن　　آنِ او باش ہر چہ خواہی کن
ہر کہ چون خاک نیست بر درِ او　　گر فرشتہ است خاک بر سرِ او

* * *

---

[1] مکتوب ۱ دفتر سوم ۔ ۱۲

سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور اسکے بعض مرکز

حضرت مخدوم الملک کے بعد سلسلۂ فردوسیہ نے کیا ترقی کی؟ اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقہ سے نظر سے نہیں گزری۔ آپ کے بعد مولانا مظفر بلخی و حضرت حسین معز بلخی ان کے جانشین ہوئے، بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا — اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال منیری ابن عم مخدوم الملک نے شیخ پورہ ضلع مونگیر بہار میں خانقاہ قائم کی، آپ کے خاندان کے افراد میں ابتک یہ سلسلہ باقی ہے۔ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب بزرگان فردوسیہ کے حالات میں "مناقب الاصفیاء" ہے جو طبع ہو چکی ہے اور اس کتاب میں اس سے خاص مدد لی گئی ہے — مخدوم الملک کے بعد منیر میں سلسلۂ فردوسیہ نے ترقی کی جن میں آپ کے خاندان کے مخدوم شاہ دولت منیری متوفی ۱۰۱۷ھ مشہور بزرگ گذرے۔ آپ کے ایک مرید و خلیفہ [illegible] عباسی سے سندھ میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوا — تقریباً دسویں صدی میں متوطن ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلے کی ایک خانقاہ قائم ہوئی اور اب تک سلسلہ جاری ہے۔ معلوم نہیں بہار میں کوئی خانقاہ ایسی ہے جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے مخدوم الملک کی ذات سے ہے — [illegible] بنگلور میسور اسٹیٹ میں بھی اس سلسلہ کی خانقاہ ہے۔

حضرت مخدوم صاحبؒ کے بعض دوہے اور ہندی فقرے[1]

بہار اور اس کے اطراف میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے بہت سے دوہے اور ہندی فقرے زبان زد عوام ہیں — جیسے:—

سُرتا بیکھا مت پھرے او جیہات کرے اداس ‏ سائیں بسے سب ہی میں جیوں پھولن میں باس

---

[1] افادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری [illegible] ۱۲

ترنا گور دھرادن اور بن اندھیاری رات ٭ جاں جو کوئی پوچھے کہ کون تو باری ات
جہر گتّا ذر ذر پھرے ذر ذر ڈھور بیروے ٭ ایک مند کو تمام کے آگے مند مند کوٹے

مولانا سید سلیمان ندوی ؒ "نقوش سلیمانی"[2] میں لکھتے ہیں :-

"حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری کے بہت سے ہندی دوہے ہیں، جن میں بعض پہیلی کی طرح سوالیہ بنا لی گئی ہیں۔ مثلاً ؎

وہ دھن پکّی سری مرو داسنگ ٭ ہلدی زیرا ایک ہی رنگ
انہوں جنا پھر سر بیچ مار ٭ اور پھر تھا اس میں ڈار
پوست کے پانی پوٹلی کرے ٭ نیستا پیر اپنا ہی دھرے

ہمارے وطن (دیسنہ ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ اصلاح میں ایک فالنامہ کے دو صفحے پرانے کاغذ کے ہیں جن میں اسی زبان میں مختلف اعداد کے جوابات بتلائے گئے ہیں اور اسکے خاتمہ پر اس فالنامہ کی نسبت حضرت مخدوم صاحب ؒ کی طرف کی گئی ہے۔ اس میں کل ستائیس فقرے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :-

۱۱۱ - جو من کی منسا کیا ہوئی سو ہوئی۔
۱۱۳ - نا ہیں پھکر نہ بیب لاگی بات ہے۔
۱۳۱ - اچھیں اچھیں نا ہیں۔
۳۱۱ - اچھیں نہیں نا ہیں، صورت بہو جائے۔
۱۲۳ - راج پاٹ اچل کے دیا کرو۔
۲۲۲ - اچھیں نا ہیں آگے ہو ہوئیگا۔
۲۳۳ - تھوڑے دن کے اب سکھ سرجتا ہے۔

---

[1] افادہ مولوی محمد ابو الظفر صاحب منیری ندوی۔ ۱۲ [2] "نقوش سلیمانی" از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۔

اشاریہ

(انڈکس)

مرتبہ

شاہ محمد شبیر عطا ندوی

اعلام

الف

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ۲۵۱
حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۰۱
۲۵۱، ۲۶۴، ۲۷۶، ۳۰۳
(حضرت سید) آدم بنوری ۱۸۹
(مولانا) آدم حافظ ۲۳۸
(مولانا) آزاد ۲۹
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۷۷
۲۵۱، ۲۶۲
(سلطان) ابراہیم شرقی ۱۹۵، ۱۷۱
ابراہیم قوام (مصنف شرف نامہ)
(مولانا) ابراہیم ۲۲۹، ۲۳۰
ابن جوزی ۲۳۱، ۲۳۳
ابن حجر مکی ۱۸۹
ابن خلدون ۲۳۱
ابن شداد ۲۳۱
ابن عربی (شیخ محی الدین) ۲۳۱
ابن حمید ۲۳۱
ابن قیم ۲۳۱
ابن السمین ۲۲۶
(خواجہ) ابو احمد چشتی ۲۳
(خواجہ) ابو اسحاق چشتی ۲۳، ۲۴
(خواجہ) ابوبکر ۱۵۰
(مولانا) ابو الحسن (خلیفہ مخدوم الملک) ۲۳۰
(مولانا) ابو الحسن علی ندوی ۱۸
(مولانا) ابو حفص اوشی ۳۱
ابو حیان توحیدی ۲۳۱
(خواجہ) ابو سعید ابو الخیر ۱۱۳، ۲۳۰
ابو الفضل ۲۳۰، ۲۳۲
(مولانا) ابو القاسم ۲۳۸
(فقیہ) ابو اللیث سمرقندی ۳۱
(خواجہ) ابو محمد چشتی ۲۳
(خواجہ ناصر الدین) ابو یوسف ۲۳
(مولانا) احمد آمولی ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹
(حضرت مخدوم) احمد عبدالحق ردولوی ۴۸
احمد بن علی والد حضرت محبوب الٰہی) ۵۲
شیخ احمد کھٹو مغربی ۱۵۱، ۱۷۱
(خواجہ) احمد (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸

احمد سعید باف (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
(سید) احمد کبیر حسینی ۱۵۳
(حضرت سید) احمد شہید ۱۸۹
(مولانا خواجہ) احمد نصیر آبلوی ۱۸۹
اخی سراج (مولانا سراج الدین عثمان اودھی) ۱۲
۱۵۰، ۱۵۲، ۱۷۱
ارغلو ۱۹۶
(راجہ) ارونا ۲۵
اسعد لاہوری (مرید حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی) ۱۵۱
شیخ احمد تھانیسری ۱۵۱
(حضرت سید) اشرف جہانگیر سمنانی ۱۵۰، ۱۵۲
۱۷۲، ۲۲۶، ۲۳۷
(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی ۳۹
خواجہ اقبال ۱۲۱
اقبال خادم ۹۵، ۹۶
اقبال ۱۹۲، ۲۸۱
(مولوی) اقبال احمد اعظمی ۱۸
(سلطان شمس الدین) التمش ۳۰، ۳۲
۳۳، ۳۴، ۵۳، ۱۸۰، ۱۸۹
(حضرت مولانا محمد) الیاس کاندھلوی ۳۹
امام اعظم ۸۹، ۹۲، ۱۱۵
مولانا امام الدین ۲۳۷
امان اللہ صدیقی ۳۱۱
(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر مکی ۳۹، ۱۵۳
امین خان (مکتوب الیہ حضرت مخدوم الملک) ۲۳۷
انندپال ۲۵
(مولانا) اوحد الدین ۲۳۹
(خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی)
(خواجہ) اویس قرنی رضی اللہ عنہ ۲۰۶
ایشوری پرشاد ۲۶

ب

بارکر (مخدوم الملک کی پالکی) ۲۳۷
(خواجہ) بایزید بسطامی ۳۶، ۳۰۲
ڈاکٹر بچن سلٹن ۱۴۸
مولانا بدر الدین اسحاق ۳۵، ۴۴، ۴۹
۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۲۳۳
شیخ بدر الدین غزنوی ۳۴
(خواجہ) بدر الدین سمرقندی ۱۴۰، ۱۹۱، ۱۹۳
(قاضی) بدر الدین ظفرآباد ۲۳۹
(مولانا) برہان الدین باقی ۵۶
(شیخ) برہان الدین غریب ۱۰۶، ۱۳۱، ۱۹۲
برہما ۲۶
بغرا خان ۷۵
(غیاث الدین) بلبن ۳۴، ۳۵، ۵۵، ۷۵، ۸۱
۹۶، ۱۱۰، ۲۲۴
بلہو یا عورت ۲۶۰

(شیخ) بدر علی قلندر ۱۸۳
(مولانا) بہاء الدین اوشی ۱۵۰
(مولانا) بہاء الدین ۱۸۸

ت

(امیر) کبیر تاتار خان ۱۹۵
(امام) تاج الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸
(خواجہ) تاج الدین داوری ۱۵۰
(مولانا محمد) تاج فقیہ ۱۷۷، ۱۷۸
(مولانا) تقی الدین اودھی ۲۲۸، ۲۳۸

ج

(مولانا) جامی ۲۳
(شیخ) شہاب الدین (جگجوت) ۱۷۸
(شیخ) جلال الدین تبریزی ۵۳، ۵۲
(شیخ) جلال الدین حسین بخاری معروف بہ
مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۱۸۱
(مولانا) جلال الدین ۹۱، ۱۳۸، ۱۵۰
(خواجہ حافظ) جلال الدین ۲۳۹
(سید) جلال الدین (خواہرزادہ شیخ حبیب الدین)
۲۳۹
(سلطان) جلال الدین خلجی ۸۲، ۸۳
(مخدوم) جلال منیری ۲۱۱
(شیخ) جمیل الدین (برادر مخدوم الملک) ۱۸۱
۱۸۳، ۱۸۵، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵
(شیخ) جمال الدین خطیب ہانسوی ۳۸، ۳۹، ۴۹،
۹۶، ۱۵۹
(شیخ) جمال الدین ہسکی ۱۸۸
(مولانا) جمال اولیاء چشتی ۱۷۱
حضرت جنید ۹۱، ۱۲۳، ۲۸۸، ۳۰۸
جھجر ۱۰۵
ملا جیون ۱۶۲
جی۔ ای۔ واسٹرنج ۴۳
جے چند ۳۵

چ

(حضرت خواجہ نصیر الدین محمود) چراغ دہلی ۳۳
۳۹، ۷۰، ۷۷، ۸۸، ۹۸، ۱۰۵، ۱۰۹
۱۲۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲
۱۷۱، ۲۰۰
(شیخ احمد) چرم پوش ۱۷۸
(مولانا رکن الدین) چیچر ۱۲۶
چنگیز خاں ۵۸، ۱۵۹

ح

(امیر) حاجی (فرزند امیر خسرو) ۱۳۲
(شیخ) حبیب الدین (برادر مخدوم الملک) ۱۸۱
حریکی ۲۳۱
(حضرت شیخ) حسام الدین حسام الحق مانکپوری
۱۵۲، ۱۵۳

(مولانا) حسام الدین ملتانی ۱۰۹

(مولانا) حسام الدین ناما سیستانی ۲۳۹

ملک حسام الدین ۲۳۳

(شیخ) حسام الدین احمد ۸۹، ۹۰، ۹۱

حسن بن محمد قرولی ۱۲۰، ۱۲

حسن سر برہنہ ۱۵۶

(امیر) حسن علا سجزی ۱۴، ۲۶، ۵۵، ۵۹

۵۸، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۴

۱۲۲، ۱۴۳، ۱۴۹، ۱۵۰

(حضرت مولانا) حسین احمد مدنی ۳۹

(سید) حسین کرمانی ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۱۲

(شیخ) حسین معز شمس بلخی ۲۱۲

حسین معز بلخی الملقب بہ نوشۂ توحید ۲۲۲، ۲۲۴

(حضرت) (قاضی) حمید الدین ناگوری ۳۸، ۱۱۵

(مولانا) حمید الدین ۹۱

(شیخ) حمید الدین ۲۱۵

حمید الدین سوداگر ۲۳۹

خ

(دست کمانی) خان محمد ۱۹۳

ابوبکر خراط ۵۳

امیر خسرو ۱۲، ۱۴، ۴۶، ۷۶، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۹

۹۰، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۲۶

۱۳۸، ۱۴۹، ۱۵۰

خسرو خاں ۸۷، ۸۹

خضر خاں ۷۶، ۸۳، ۸۷

حضرت خضر علیہ السلام ۳۰۰

ملک خضر ۲۳۷

(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۳۰، ۴۸، ۱۰۰

(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۳۹

(شیخ) خلیل الدین (ابرار مخدوم الملک) ۱۶۹

۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۸

(مولانا) خواجگی ۱۴۱

(ابوبکر) خوارزمی ۲۳۱

امیر خورد (سید محمد مبارک علوی) ۱۷، ۴۲، ۵۰

۶۷، ۹۲، ۹۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۰

۱۳۳، ۱۴۶

د

(حضرت) درویش بن محمد قاسم اودھی ۱۵۳

(شاہ) دولت منیری ۳۱۱

ذ

شاہ ذکی الدین ۱۸۱، ۱۸۳، ۲۲۶، ۲۳۹

ر

(حضرت) رابعہ بصری ۱۳۳

رائے پتھورا (پرتھوی راج) ۱۲۵، ۱۲۶

(شیخ) رستم ۳۰۹

رستم ۲۸۰

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ۳۹
حضرت علامہ محمد رشید جونپوری ۱۵۳، ۱۶۴
مولانا رفیع الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸
شیخ رضی الدین علی لالہ ۱۸۳
شیخ رکن الدین ابوالفتح ۳۲، ۱۰۱، ۱۶۲
حضرت شیخ رکن الدین فردوسی ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳
حاجی رکن الدین ۲۳۲، ۲۳۹
مولانا جلال الدین رومی ۱۹۳

ز

زکی بن زاہد ۱۰۰، ۱۲۳، ۱۲۷، ۲۳۳، ۲۳۷
حضرت زبیر بن عبدالمطلب ۱۶۷
مولانا فخر الدین زرادی ۹۰، ۹۸، ۱۲۹، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۹۰، ۲۰۰
حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۵۱
شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی ۱۵، ۳۴، ۵۳، ۹۱، ۱۰۱، ۱۶۷، ۱۹۲
زکریا غریب (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ۳۹
علامہ زمخشری ۱۲۷
مولانا زین الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
شیخ زین الدین ۱۵۳، ۱۶۴، ۱۶۵
زین بدر عربی ۲۰۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۵

س

خواجہ سالار ۱۵۰
سراج عفیف ۱۶۰، ۱۶۴
سراج بقال ۷۱
سرچتکا ۳۸
سرسید ۷۵
سعد کاغذی ۷۱
شیخ سعد الدین حموی ۱۸۳
شیخ سعد الدین خیرآبادی ۱۵۳
شیخ سعدی ۱۲۱، ۱۲۳، ۲۱۳
سلطان شاہ ۲۳۳
شیخ بدر الدین سلیمان ۳۵، ۳۶
خواجہ سلیمان تونسوی ۱۵۱
شیخ سلیمان (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸، ۲۴۷
مولانا سید سلیمان ندوی ۳۱۲
حکیم سنائی ۲۲۷
سومیشور ۲۵
شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ۹۳، ۱۳۰، ۱۷۸، ۱۸۹
خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی ۱۸۶، ۱۹۰

خواجہ صفی الدین باخرزی ۱۳۰، ۱۸۸، ۱۹۰

ش

شادی گلابی ۴۲
امام شافعیؒ ۹۳
شاہ بیگم ۲۳۸
شاہ پیر محمد سلونی ۱۵۳
شاہ پیر محمد لکھنوی ۱۵۳، ۱۴۲
شاہ شبیر عطا ۱۸
شاہ عالم گجراتی ۱۵۳
(حضرت) شبلی ۹۱
مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری
۱۹، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۹۳، ۱۹۶
۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۳۵
۲۳۴، ۲۹۸، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۹۵، ۲۹۸
۲۹۹، ۳۰۲، ۳۰۸، ۳۱۲
مولانا شرف الدین ابوتوامہ ۱۸۰، ۱۸۱
خواجہ شرف الدین ۱۰۹، ۱۱۰
قاضی شرف الدین ۱۵۰
قاضی شرف الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸
حاجی شریف زندنی ۲۳
بی بی شریفہ ۳۵
مخدوم شاہ شعیب فردوسی ۱۸۱، ۲۱۱
قاضی شعیب ۳۴
شیخ شعیب ۲۳۹
مولوی محمد شفیع صاحب ۵۳
شیخ شمس الدین ترک پانی پتی ۳۴
مولانا شمس الدین خوارزمی مستوفی الممالک
۵۶، ۱۳۹
مولانا شمس الدین یحییٰ ۸۱، ۱۳۹، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۴ الی ۳۴
مولانا شمس الدین ۹۹، ۱۰۰
خواجہ شمس الدین ۱۵۰
قاضی شمس الدین ۲۲۹، ۲۲۴، ۲۳۵
۲۳۵، ۲۳۴
شمس الدین شرابدار ۴۲
شمس الدین خوارزمی ۲۳۸
شمس الدین ۳۰۰، ۳۰۳
ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی ۱۴۱
شیخ شہاب الدین (فرزند حضرت گنج شکرؒ) ۵۳
مولانا شہاب الدین ملتانی ۹۱
مولانا شہاب الدین (خلیفہ مخدوم الملک) ۱۵۰
مولانا شہاب الدین ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲
مولانا شہاب الدین ناگوری ۲۳۸
امیر شہاب الدین ۲۳۳
شہاب الدین علوی طوسی ۲۳۰
سید شہاب الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
شیر شاہ ۱۸۰

ص

ابو اسحاق الصابی ۲۳۱
الصاحب ابن عباد ۲۳۱
سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم۔ اے ۱۲۱
قاضی صدر الدین ۲۲۸
مولانا صدر الدین ۲۳۷
علامہ صنعانی ۵۷، ۱۲۹

ض

مولوی سید ضمیر الدین صاحب ۲۰۰
ضیاء برنی ۲۱، ۴۳، ۸۰، ۸۵، ۹۲، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۵۰، ۱۵۸
مولانا ضیاء الدین ۲۳۷

ط

طباطبائیؒ ۸۷
ملک طغی ۱۹۲
طہرا ۲۳۷
شیخ طیب بنارسی ۱۵۳

ظ

ظہوری ۲۳۲
مفتی سید ظہیر الدین ۲۳۳
سید ظہیر الدین ۲۲۳، ۲۳۳

ع

حضرت عائشہؓ ۲۰۱
خواجہ عابد ظفر آبادی ۲۲۱
شیخ عارف ۳۹، ۴۷
مولانا عالم ۱۹۵
قاضی عالم احمد ۲۳۳، ۲۳۴
عالمگیر ۲۳۲
شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۴۷، ۱۲۷
عبد الحمید الکاتب ۲۳۱
مولانا حکیم سید عبد الحیؒ صاحب ۱۵، ۱۷، ۱۹
حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری ۳۹
خواجہ عبد الرحیم ۹۹
شیخ عبد الصمد عرف صفی الدین صفی پوری ۱۵۳
شیخ عبد العزیز ۱۸۱
حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ۱۳۵
حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری ۱۱، ۹۴
حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ۹۴، ۱۵۴
حضرت شیخ عبد الکریم مانکپوری ۱۵۳
عبد اللہ بن ابی کعب ۲۵۳
شیخ عبد المقتدر کندی ۱۵۱، ۱۶۱
حضرت خواجہ عثمان ہارونی ۲۳
خواجہ عرب ۵۲
ملک عزیز الدین ۳۲
خواجہ عطاء اللہ ۱۰۷
خواجہ فرید الدین عطار ۱۸۸، ۱۹۳، ۲۲۷، ۲۲۹

عقیق ۲۲۹، ۲۲۹، ۱۰۲، ۲۳۵، ۲۴۲
سلطان علاؤالدین خلجی ۸۰، ۹۰، ۸۴، ۸۸، ۸۵، ۹۸، ۱۲۱، ۱۲۱، ۲۲، ۳۲، ۱۰۲، ۱۲۵، ۱۵۵
حضرت شیخ علاؤالدین صابر ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۴۴
شیخ علاؤالدین جودھنی ۳۶
مولانا علاؤالدین اصولی ۵۳
مولانا علاؤالدین نیلی ۱۴۹
شیخ علاؤالدین علاؤالحق پنڈوی ۱۰۱، ۱۶۵، ۲۰۳
شیخ علاؤالدین سمنانی ۱۸۹
شیخ علاؤالدین تبریزی ۱۸۹
حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلوی ۱۸۹
مولانا علم الدین ۹۱
قاضی علیم اللہ ۱۴۲
شیخ علیم الدین ۲۳۷
مولانا علی اصغر قنوجی ۱۴۲
خواجہ علی ۵۲، ۵۳
امیر سید علی ہمدانی ۱۸۹
شیخ علی ۳۵
امیر المومنین سیدنا عمرؓ ۲۵۳، ۲۶۰
سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ۱۳۶
شیخ عمر مرید مخدوم الملک ۲۲۸
عمادالفقی ۲۳۹
شیخ عمادالدین دہلوی ۹
خواجہ عمادالدین قلندر ۱۵۳
نورالدین محمد عوفی ۱۵
عین القضاۃ ہمدانی ۱۹۳

غ

امام غزالی ۲۳۱، ۲۸۹
مولانا برہان الدین غریب ۱۵۰
غلام حسین ۱۰۵
سلطان غیاث الدین تغلق ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۳
غلام ہاشمی ۱۳۰، ۲۰۰
سلطان غیاث الدین شاہ بنگال ۲۲۲
میر غیاث الدین شیرازی ۱۶۱

ف

حضرت فاطمہؓ ۲۰۱
بی بی فاطمہ ۳۵
فتوح دیبی ۲۳۳
مولانا فخرالدین زرادی ۹۰، ۹۲
مولانا فخرالدین مروزی ۱۵۰
مولانا فخرالدین میرٹھی ۱۵۰
مولانا فخرالدین دہلوی ۱۵۱
شیخ زادہ حسام الدین فرجام ۹۹، ۹۰، ۹۱
حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر ۳۱، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۵، ۵۰، ۵۵، ۵۸

۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷
۹۸، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۲
۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۶۴، ۱۷۱
شیخ فرید الدین ۲۳۳، ۲۳۸
مولانا فصیح الدین ۱۰۳، ۱۵۰
مولانا فضل اللہ رکن ندوی ۲۲۹، ۲۳۸
فیروز تغلق ۱۵، ۲۵، ۵۷، ۹۰، ۱۳۲، ۱۴۵
۲۰۱، ۲۱۵
رکن الدین فیروز شاہ ۲۲۱، ۲۵۳
سلطان المشرق فیروز شاہ ۲۲۱، ۲۲۷

ق

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۲۳۹
محمد قاسم (مصنف تاریخ فرشتہ) ۹۳
قاضی خاں ۲۳۲، ۲۳۹
قاضی الفاضل ۲۳۱
قتلغ خاں ۷۳
ملک قرابیگ ۸۳، ۸۵
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۲۰-۳۰
۳۳، ۳۴، ۷۲، ۱۳۲، ۱۹۰، ۱۹۲
شیخ الاسلام سید قطب الدین احمد مدنی ۱۸۹
شیخ قطب الدین دبیر ۱۵۹، ۱۹۰
قطب الدین (دوسرے مخدوم الملک) ۲۳۸
شیخ قطب الدین ۲۳۷
سلطان قطب الدین مبارک شاہ ۸۶-۸۹
قطب الدین ایبک ۵۳، ۵۹
قطب عالم عبد اللہ الحسینی ۱۵۳
مولانا قمر الدین ۲۳۸
امیر قیربیگ ۱۲۰

ک

مولانا کاشانی ۲۱۹
ملک کافور ۸۳
مولانا کریم الدین ۲۳۸
خواجہ کریم الدین سمرقندی ۱۵۰
حضرت کعب بن مالک ۹۳
شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی ۱۵، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۲
علامہ کمال الدین ۱۵۱
شیخ کمال الدین ناگوری ۱۵۴
شیخ کمال الدین مالوی ۱۵۳
مولانا کمال الدین سنتوری ۲۳۷
بابا کمال الدین جنیدی ۱۸۳
راجہ کنس ۱۶۵
مرزا کنگہر ۱۹۸
معز الدین کیقباد ۷۵، ۸۲

گ

علامہ گازرونی ۱۲۷
گنج شکر (دیکھئے حضرت خواجہ فرید الدین)

کرم بدھ ۱۹
حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز ۱۴، ۱۳۱، ۱۵۱

ل

مولانا لطف اللہ کوڑوی ۱۷۳
مولانا لطف الدین ۲۳۹

م

شیخ محمد بن احمد الملایکی مشہور بہ کمال الدین زاہد ۵۷، ۱۲۲
اخی مبارک ۱۰۰
شیخ مبارک گوپاموی ۱۵۰
نور الدین مبارک ۵۰، ۷۵، ۱۰۱
شیخ مجد الدین بغدادی ۱۸۴
مجد الملک ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۱۵
تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری ۳۰۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام ۲۷۲، ۳۰۰
حضرت مریم علیہا السلام ۳۰۱
حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی ۴۹
خواجہ محمد امام ۴۷، ۱۳۳
محمد بن قاسم ثقفی ۲۱
سلطان محمد تغلق ۴۵، ۴۶، ۹۳، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۹۲
امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی ۱۲۰، ۱۸۹، ۲۰۳، ۲۴۲، ۲۸۳، ۲۸۴
صوفی محمد حسین صاحب ۲۲۴
سلطان محمد شاہ بہمنی ۱۱۲، ۱۹۲
علامہ محمد طاہر پٹنی ۱۲۷
شہاب الدین محمد غوری ۲۲، ۲۳، ۲۷، ۵۴، ۱۷۷، ۱۷۹
سید محمد کالپوی ۱۷۲
حضرت شاہ محمد مینا ۱۰۴، ۱۵۳
محمد میوہ فروش ۷۲
سلطان محمود غزنوی ۲۲، ۲۳
شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ۳۹
مولانا محمود صوفی ۲۳۳
مولانا محی الدین کاشانی ۹۰، ۹۲، ۱۵۰
مخلص الملک ۱۵۶
مولوی مراد اللہ صاحب ۱۸، ۳۱۱، ۳۱۲
علامہ برہان الدین مرغینانی ۵۷، ۲۲۶
شیخ شرف الدین المروقانی ۱۸۹
بی بی مستورہ ۳۵
مولوی سید مشرف علی ندوی ۱۸
مولانا مظفر بلخی ۲۲۲، ۲۲۹، ۲۳۸، ۳۱۱
خواجہ معز الدین ۲۳۲، ۲۳۹
حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۱۵، ۲۲، ۲۳، ۷۲، ۲۰۰، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۶، ۲۴۴، ۸۳، ۱۲۲، ۱۹۹، ۱۹۲

شاہ معین الدین لزنوی ۱۵۳
مولانا مغیث الدین ۱۵۳
قاضی مغیث الدین بیانوی ۳۸، ۵۸
خواجہ ملک ۲۲۹، ۲۳۱
مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۷، ۳۱، ۳۶، ۶۰، ۶۹
۷۹، ۱۲۲
قاضی منتخب ۹۶
منور ۲۲۳، ۲۲۵
شیخ قطب الدین منور ۷۹، ۸۱، ۹۰، ۹۱، ۱۴۱،
۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۲۰۰
قاضی منہاج الدین جوزجانی ۱۵، ۲۵
مولانا منہاج الدین ترمذی ۲۷
خواجہ قطب الدین مودود ۲۳
خواجہ محمد موسیٰ ۲۷، ۱۲۳
مولانا روم ۱۰۳، ۲۶۷
خواجہ موید الدین کردی ۱۵۰، ۱۵۵
خواجہ موید الدین انصاری ۱۵۰
قاضی مینا ۲۳۰

ن

سلطان ناصر الدین محمود ۳۰، ۵۵، ۶۹
مولانا قطب الدین ناقلہ ۵۶
شیخ نجم الدین رازی ۱۸۸
شیخ نجم الدین صغری ۳۲، ۹۰، ۱۹۲
خواجہ نجم الدین کبریٰ ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۰۵
مولانا سید نجم الدین مہدی ۱۸
شیخ نجیب الدین فردوسی ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۹
۱۹۳، ۱۹۶، ۲۳۷
شیخ نجیب الدین متوکل ۵۹، ۶۰، ۹۳، ۹۶
۱۰۷
شیخ نصیر الدین ۳۵
مولانا نصیر الدین محمد جیودی ۲۳۹، ۲۲۸، ۲۲۶
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ۱۲، ۱۵
۱۷، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵
۴۸، ۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۶۱، ۶۳
۶۵، ۶۸، ۷۳، ۷۷، ۸۲، ۸۹، ۹۷، ۹۸، ۹۹
۱۰۹، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۴۲، ۱۴۳
۱۴۶، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰
۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۹، ۲۰۰
۲۳۸، ۲۳۹
خواجہ نظام الدین ۴۵
مولانا نظام الدین شیرازی ۱۵۰
شیخ نظام الدین اورنگ آبادی ۱۹۹
ملا نظام الدین ۱۷۲
مولانا نظام الدین لرمی ۲۳۰
مولانا نظام الدین ۲۳۳
مولانا نظام الدین مفتی ۲۳۳

مولانا نظام الدین (خلف زادہ مخدوم الملک) ۲۳۹
مولانا نظام ولی بہاری ۱۹۹، ۲۰۱
حاجی نظام غریب ۲۳۲
نعمت خان عالی ۲۳۲
حضرت خواجہ نقشبند ۲۰۵
حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۵۱
مولانا نور ترک ۳۸
صاحبزادہ نور الدین ۱۵۷
قاضی نور الدین ۲۳۰، ۲۳۵
حضرت نور قطب عالم ۱۵۲، ۱۵۵، ۲۲۰
خواجہ نور محمد ۱۵۱
شاہ نیاز احمد بریلوی ۱۵۱

و

شیخ وجیہ الدین پائلی ۱۵۰
شیخ وجیہ الدین یوسف ۱۵۳
سید وحید الدین رضوی ۲۳۷، ۲۳۹
قاضی جلال الدین الولوالجی ۸۹، ۹۰
حضرت شاہ ولی اللہ ۲۴۳
ولیسل ویلر ۴۵

ہ

ہلال ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵
ڈاکٹر ہنٹر ۱۹۷
ہیون سانگ ۱۹۸

کتابیات

الف

آئینہ اعتقاد ۷۵

آئین اکبری ۲۰

اجمیر گزیٹیر ۲۹

اخبار ۲۳۹

احسن التقاسیم ۲۳

احیاء العلوم ۳۴، ۲۸۹

اخبار الاخیار ۳۳، ۳۱، ۳۹

ارشاد السالکین ۲۳۵

ارشاد الطالبین ۲۳۹

ازالۃ الخفا ۲۳۲

افضل الفوائد ۱۲

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۵۳

انیس الغربا ۱۵۲

ب

بحر المعانی ۲۳۹

بزم صوفیہ ۳۳، ۱۳۱

ت

تاریخ دعوت و عزیمت

تاریخ فرشتہ ۲۴، ۲۲، ۳۳، ۳۳، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۱۱۰، ۱۳۲

تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) ۳۰، ۴۱، ۵۵، ۸۵، ۱۳۴، ۱۳۱، ۱۳۶

تاریخ فیروز شاہی (سراج عفیف) ۱۵۱، ۱۹۰

تاریخ مشائخ چشت ۳۹، ۱۵۱، ۱۵۹

رسالۂ شجرہ ۱۸۷

تحفۂ اثنا عشریہ ۲۳۲

تحفۂ غلیمی ۲۳۹

ترجمہ احیاء العلوم ۱۳۶

تذکرۃ الرشید ۱۵۴

تذکرۃ العاشقین ۳۵، ۷۹

تغلق نامہ ۸۸

تمہید ابو شکور سالمی ۶۲

ث

الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۱۳۷

ج

جغرافیۂ خلافت مشرقی ۲۳

جوامع الکلم ۱۲، ۷۳، ۱۳۱

ح

حسرت نامہ ۹۲، ۱۳۶

خ

خزینۃ الاصفیاء ۳۱، ۳۵، ۳۴، ۶۶، ۸۹، ۱۹۲،
۱۹۳

خمسہ نظامی ۱۲۷

خوان پر نعمت ۲۰۱، ۲۳۲، ۲۳۹

خیر المجالس ۳۹، ۸۹، ۱۳۳

د

دعوت اسلام ۱۹۸

راحت القلوب ۳۷، ۲۳۹

رسالہ در طلب طالبان ۲۳۹

رسالہ قشیری ۲۳۹

رسالہ مکیہ ۲۳۹

رقعات عالمگیری ۲۳۲

رقعات السلاطین ۱۹۵

ز

زاد سفر ۲۳۹

س

سراج المجالس ۵۰، ۵۳، ۵۵، ۷۷

سیرت سید احمد شہیدؒ ۱۷

سیرۃ الشرف ۱۷، ۱۶۸، ۱۸۲، ۱۹۸، ۱۹۹،
۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۲،
۲۳۰، ۲۳۹

سیر العارفین ۴۳، ۴۶، ۹۵، ۱۰۵، ۱۱۹، ۱۴۷، ۱۶۱

سیر الاقطاب ۲۹، ۳۰، ۳، ۱۱۵

سیر الاولیاء ۱۴، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۲،
۳۳، ۳۴، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۵۰، ۵۲،
۵۳، ۵۵، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۶، ۶۷، ۶۸،
۷۰، ۷۲، ۷۳، ۷۶، ۷۸، ۸۱،
۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۹۴،
۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷،
۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷،
۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶،
۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۴۸،
۱۴۹، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۹۰

ش

شرح آداب المریدین ۲۳۹

شرح تعرف ۲۳۹

شرح کافیہ ۱۶۷

شرف نامہ ابراہیمی ۱۶۸

شرف نامہ احمد منیری ۱۶۸

ص

صید الخاطر ۲۴۲

ط

طبقات ناصری ۱۵، ۲۵، ۲۶

ع

عقائد اشرفی ۲۳۹

عوارف المعارف ۶۳، ۱۳۶، ۱۸۹

ف

فتاویٰ تاتارخانی ۱۹۵
فرہنگ ابراہیمی ۱۷۸
فوائد رکنی ۲۳۹
فوائد الفواد ۱۲، ۱۷، ۲۰، ۳۷، ۵۴، ۵۵، ۹۱
۸۵، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۶، ۹۹، ۱۰۷
۷۳، ۷۴، ۷۸، ۸۳، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۶۹
۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸
۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۶، ۱۹۷
۱۹۸
فوائد مریدین ۲۳۹

ق

قوت القلوب ۱۳۶

ک

کشاف ۱۳۶
کشف المحجوب ۱۳۶
کنز المعانی ۲۳۹

گ

گل رعنا ۱۵
گل فردوس ۱۹۳
گنج لا یخفیٰ ۲۱۵، ۲۳۹

ل

لباب الالباب ۱۵
لطائف اشرفی ۲۳۹، ۲۳۶
لطائف المعانی ۲۳۹
لوائح حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ۱۳۶

م

مآثر الکرام ۲۷، ۲۹
مخبر الواصلین ۳۵، ۹۹
المدہش ۲۳۲
مرصاد العباد ۲۳۶
مشارق الانوار ۵۷، ۱۲۷
مشکوٰۃ ۱۳۷
مصباح الہدایت ۱۱۷
معجم البلدان ۳۱
معدن المعانی ۱۷۹، ۲۰۳، ۲۳۹
مفتاح الصفات ۱۷۹
مفصل ۱۳۶
مقامات حریری ۵۷
مکتوبات سہ صدی ۲۳۵
مکتوبات صدی ۲۳۵
مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ۲۳۵
مکتوبات عین القضاۃ ۱۳۶
مکتوبات کلیمی ۱۶۹

ملفوظات ۲۳۶
مرتب الاصفیاء ۸۰، ۱۴۳، ۱۵۵، ۱۹۷
۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۵
۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۵، ۳۱۱
منتخب التواریخ ۲۰، ۲۹
المنقذ من الضلال ۱۲
مونس المریدین ۲۳۹
مونس الفقراء ۱۵۲
مونس القلوب ۲۱۵

ن

نافع ۳۶

نزہۃ الخواطر ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۴۳
۵۲، ۷۲، ۸۶، ۹۶، ۱۰۶، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۳، ۲۴۰
نفحات الانس ۲۲
نثر شیخ بہلول ۳۱۳

و

وقائع نامہ ۲۲۴، ۲۳۲

ہ

ہمعات ۵۶
ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
۶۵، ۹۹، ۹۹، ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۸
۱۲۲

مقامات و عمارات

الف

اجمیر ۲۵، ۲۶، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۱۷۰، ۱۹۷
اجودھن ۲۹، ۳۰، ۳۴، ۳۵، ۵۱، ۵۳، ۶۰، ۶۵
۶۷، ۶۸ـــ ۷۰، ۷۳، ۷۴، ۸۳
احمد آباد ۱۵۲، ۱۹۹
افغانستان ۲۳
انکی ۲۳۷
اوچ ۳۰
اودھ ۳۸، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۵۳
اوش ۴۱
ایران ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۴۰، ۵۳، ۱۳۴، ۱۴۶

ب

باغ حیرت ۵۷
بام ہزار ستون ۸۸، ۹۰، ۱۳۷
بنگال ۱۹، ۲۹، ۳۰، ۳۷، ۵۲
بدایوں ۲۰، ۲۳، ۴۵، ۵۵، ۶۵، ۹۹، ۱۰۷
برہان پور ۱۵۲
بغداد ۷۳، ۷۵

بخارا ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۳۴، ۵۲
بتسن ۱۵۹، ۱۵۷
بنگال ۳۹، ۵۲، ۱۱۹، ۱۷۹، ۲۲۱، ۲۳۷
بہار شریف ۲۳۷
بہار ۱۵۲، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۳۸، ۳۱۱
بھیا ۱۵۷
بیت المقدس ۱۷۷، ۲۵۵

پ

پاک پٹن ۳۴، ۳۵، ۱۹۷
پاکستان ۳۹
پانی پت ۱۸۴
پٹنہ ۱۶۸، ۲۳۵
پٹیالہ ۴۳
پشمر ۲۹
پنجاب ۱۹۶
پنجدرہ ۱۲۹، ۱۵۲، ۱۹۵، ۱۹۹، ۱۷۲، ۱۷۳
پھلیام ۱۸
پہلوا ۱۹۳
پھلواری شریف ۱۵۳
پیران کلیر ۳۰

ت

ترائن ۲۹
ترکستان ۲۰، ۱۵۸، ۱۷۳
تلونڈی ۲۱
تلنگانہ ۸۳
تھانیسر ۲۶

ٹ

ٹھٹھہ ۱۹۲
ٹیلہ والی مسجد ۱۰۲

ج

جامع میری ۸۶
جوالا پور ۱۵۳
جھنگل ۱۶۸

چ

چرسہ ۲۳۵
چھپڑ والی مسجد ۴۱

ح

حبش ۲۹۵
حسن ابدال ۱۰۵
حرم یمانی ۷۵

خ

الخلیل ۱۷۷، ۱۸۱، ۲۰۸
خراسان ۲۳، ۵۲، ۱۵۸

خوارزم ۱۹، ۱۸۹، ۱۸۸

د

دکن ۱۵۳، ۱۹۲
دمشق ۹۹، ۱۰۳
دہلی ۲۱، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۷
۳۸، ۳۹، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۵۳، ۵۶، ۵۸
۶۷، ۷۲، ۷۴، ۷۹، ۸۲، ۸۹، ۹۰
۹۳، ۹۴، ۹۶، ۱۰۳، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۳
۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۶۸
۱۸۰، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۱۵
۲۳۷
دلیسر ۳۱۲
دیگری ۳۸
دیوگیر ۴۳، ۹۳، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۹۳

ڈ

ڈھاکہ ۱۸۰

ر

راج شاہی ۱۲۵
راج گیر ۱۹۶، ۲۰۰
راج گریہا ۱۹۸
رائے بریلی ۱۷
رائے پور ۴۹
رکاب دار کی سرائے ۷۱
روم ۹۱
روہیل کھنڈ ۶۲
رے ۶۹

ز

زابیران ۲۴
زرنج ۲۳
زنجان ۱۴
زیرپاآباد ۱۵۲

س

سکھر ۴۳
سجستان ۲۳
سکرون ۱۵۲، ۱۷۲
سمرقند ۱۹
سنارگاؤں ۱۸۰، ۱۸۴، ۲۲۱
سندھ ۲۱
سندیلہ ۳۱۱
سومنات ۲۳
سوستان ۴۷
سہ بیستان ۲۳

ش

شام ۹۱
شاہ آباد ۲۳۵
شیخ پورہ ۳۱۱

شیراز ۲۰۱

ص

صفی پور ۱۵۲

ط

طور سینار ۲۲۵

ع

عدن ۳۱۱
عراق ۲۰

غ

غزنین ۲۳
غزنین دروازہ ۳۷
غیاث پور ۷۰، ۵۷، ۶۱، ۶۷، ۷۴، ۸۶، ۱۰۵، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۹۱

ف

فتوحہ ۳۱۱
فرغانہ ۳۱

ق

قرطبہ ۲۱
قزوین ۱۹
قصور ۳۷
قطب صاحب ۳۶
قنوج ۳۵
قیصرلی ۷۱

ک

کابل ۳۷
کاشغر ۱۶۸
کپوٹیکا ۱۹۸
کڑا ۱۸۹
کشمیر ۱۸۹
کعبہ مکرمہ ۲۵۵
کمال دروازہ ۷۴
کنواں ۳۶، ۳۸
کیلوکھڑی ۳۲، ۷۵

گ

گلبرگہ ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۷۴، ۲۰۰، ۲۷۱

ل

لاہور ۱۴، ۳۲، ۵۳
لکھنوتی ۳۹، ۱۵۲
لکھنؤ ۱۸

م

مارہ ۱۵۳
مان سرور ۲۹
ماندو ۱۵۲
مانک پور ۱۵۲، ۱۶۲
مخدوم کنڈ ۱۹۸
مرو ۱۹

مرہٹ واڑہ ۱۹۳
مسجد نبوی ۲۹۰
مکہ ۱۹۸
ملتان ۲۱، ۳۲، ۳۸، ۴۰، ۵۳
منگھری ۳۹
سنبھل ۲۱
منصور دروازہ ۲۱
منیر ۱۶۶، ۱۸۳، ۱۹۹، ۲۰۹، ۲۲۴، ۲۱۱
سرنگر ۳۱۱
میاں بانا سر ۶۱
میران پور ۱۶
میوات ۱۹۸

ن

نیشاپور ۱۹
سمرقند ۴۳

و

ورنگل ۴۸، ۵۸

ہ

ہانسی ۲۰۸، ۲۳۲، ۲۴۶، ۲۰۲، ۱۵۹، ۱۵۸
ہلتہ ۴۴
ہمایوں کا مقبرہ ۷۵
ہمدان ۱۹
ہندوستان ۱۹، ۲۰، ۴۳، ۲۵، ۳۱۰
۳۴، ۳۵، ۳۲، ۲۹، ۲۸۰، ۹۶
۳۰، ۷۵، ۸۳، ۹۳، ۱۰۱، ۱۱۳
۱۱۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۵۱، ۱۵۳
۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۱
۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۷
۲۱۳، ۲۴۳، ۲۴۴
۲۹۸

مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے

انڈیا آفس ۱۷۸
خانقاہ بہیڑ ۳۱۱
خانقاہ مجیبی ۱۵۳
خانقاہ رشیدی ۱۵۳
دارالعلوم دیوبند ۳۹
درگاہ شیخ ضیاء الدین ردولی ۷۹
کتب خانہ اصلاح ۳۱۲
مدرسہ معزیہ ۳۷
مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ ۱۸
مظاہر العلوم ۳۴

سلسلے

سلسلہ جنیدیہ ۱۸۹
سلسلہ چشتیہ ۸۱، ۱۳۲، ۱۵۱، ۱۹۹، ۱۷۲، ۱۴۰، ۲۳۷
سلسلہ چشتیہ نظامیہ ۱۲۹، ۱۵۲، ۱۵۳
سلسلہ سہروردیہ ۱۷۸، ۱۸۹
سلسلہ شطاریہ ۱۹۱
سلسلہ صابریہ ۱۵۳
سلسلہ فردوسیہ ۱۸۲، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۱۱
سلسلہ کبرویہ ۱۸۹
سلسلہ شہابیہ ۱۸۹، ۲۰۵

مطابع

مطبع احمدی ۱۸۱
مطبع شرف الاخبار ۱۷۹
مطبع مفید عام آگرہ ۲۳۶
مطبع نور الآفاق ۱۸۲

سکے اور باٹ

تنکہ ۱۵۸
جیتل ۵۲
جانگاس ۱۵۸

ساز

چنگ ۱۱۹
دف ۹۱
رباب ۱۱۹
شبابہ ۹۱